شرح مقدّمة

الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوی

فی بیان

بعض مصطلحات علم الحدیث

از

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند

ناشر

مرکزِ دعوت وتحقیق دیوبند، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح مقدمۂ شیخ عبد الحق المحدث دہلویؒ

فی بیان

بعض مصطلحات علمِ الحدیث

از

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی مدظلہ

استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند

ناشر

مرکزِ دعوت وتحقیق دیوبند یوپی

تفصیلات

نام کتاب : شرح مقدمہ شیخ عبدالحق المحدث دہلویؒ

شارح : حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی صاحب

کمپیوٹر کتابت : نواز پبلی کیشنز دیوبند

ناشر : مرکز دعوت وتحقیق دیوبند

قیمت :

طبع ثانی : ۱۴۱۷ھ

فہرست متن

فہرستِ مضامین

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

گیارہویں فصل

بارہویں فصل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب زید مجدہ

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اٰله وصحبه اجمعين اما بعد: علماء امت میں بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کمال عطا فرمایا ہے کہ مشکل سے مشکل بحث کو آسان بنادیتے اور مسئلہ کو سہل انداز میں تحریر کردیتے ہیں ان میں سر فہرست امام غزالی اور امام نووی رحمہما اللہ ہیں اور ہندوستانی علماء میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا شمار انہیں جیسے لوگوں میں ہے جب انہوں نے مشکوٰۃ کی فارسی اور عربی شرح لکھنے کا ارادہ کیا تو اصول حدیث اور اس کے قواعد و ضوابط اور تعریفات کو اپنی کتاب کے شروع میں بطور مقدمہ تحریر فرمایا ہندوستان میں مشکوٰۃ شریف جب طبع ہوئی تو اس کے شروع میں اس کو مقدمہ شیخ عبدالحق دہلوی کے نام سے چھاپ دیا گیا گذشتہ سال دارالعلوم میں اجلاس رابطہ مدارس اسلامیہ کے موقعہ پر اس مقدمہ کو بھی داخل نصاب قرار دیکر مشکوٰۃ شریف شروع کرانے سے پہلے طالب علموں کو اس کے پڑھانے کی سفارش کی گئی اور خود دارالعلوم نے پہل کرتے ہوئے اسکو داخل نصاب کیا طلبہ کے لئے فن کی یہ پہلی کتاب تھی جس کی وجہ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ اردو میں اس کا آسان ترجمہ اور اس کے ساتھ اس کی مختصر تشریح بھی کردی جائے تاکہ طلبہ کو سہولت ہو۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی صاحب استاذ دار العلوم دیوبند اور مدیر رسالہ دار العلوم دیوبند نے اس ضرورت کو سب سے پہلے محسوس کر کے اس کا ترجمہ اور ضروری تشریح کیا اس کے معتبر اور مستند ہونے کیلئے مولانا موصوف کا نام ہی کافی ہے موصوف اس سے پہلے کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جنہیں علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے مگر ان کے اصرار کی بناء پر میں نے ان کی اس جدید تصنیف کو جستہ جستہ دیکھا تو محسوس ہوا کہ ہر پڑھنے والا اول وہلہ میں ان خوبیوں کو محسوس کریگا کہ موصوف نے سب سے پہلے مقدمہ کی تصحیح پر سعی بلیغ کی ہے لمعات التنقیح عربی اور اشعۃ اللمعات اور شرح سفر السعادۃ فارسی کے مقدموں سے مقابلہ کر کے اغلاط کی تصحیح کی ہے لفظی ترجمہ اور محاورہ کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے اور اطناب سے پرہیز کرتے ہوئے اس کی تشریح کی۔ اگر کہیں محدث دہلویؒ نے جمہور کی تعریف سے ہٹ کر کوئی الگ تعریف کی ہے تو اس کی نشاندہی کی ہے تاکہ طالبعلم اگر فن کی دوسری کتاب پڑھے یا مطالعہ کرے تو ذہنی تشویش میں مبتلا نہ ہو اور بضرورت کہیں کہیں مسائل کی تحقیق بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دی ہے جو اہل علم کے لئے تسکین کا باعث ہے ربّ العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول فرمائے طلبہ اور اہل علم کے لئے نافع بنائے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں موصوف کے لئے کار آمد بنائے آمین۔

وما ذلك على الله بعزيز

نعمت اللہ

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

۲۶/۴/۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن اتبعھم باحسان الی یوم الدین۔

امابعد! المحدث الجلیل الشیخ عبدالحق الدہلوی قدس اللہ اسرارہم نے اپنی مشہور تالیف "لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے شروع میں اصول حدیث سے متعلق ایک جامع ومفید مقدمہ تحریر فرمایا تھا۔

حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ نے جب اپنے مطبع سے مشکوٰۃ شائع کی تو اسکے ساتھ اس مقدمہ کو "مقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث" کے نام سے شائع کردیا۔ پھر بعد میں "مقدمہ شیخ عبدالحق" کے نام سے علیحدہ بھی اسے شائع کیا گیا۔ شیخ الٰہی بخش بہاری اور خواجہ محمد علی فاضل سہارنپوری نے اس کے اردو ترجمے بھی کئے۔ یہ مقدمہ اسی زمانہ سے علماء میں متداول رہا ہے اور ہندوستان کے بعض مدارس میں داخل نصاب بھی رہا۔

گذشتہ سال دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام ملک گیر پیمانہ پر ارباب مدارس وعلمائے درس کا ایک اجتماع بلایا گیا تھا اس موقعہ پر مدارس اسلامیہ کے نظام تعلیم وتربیت پر غور وفکر کیا گیا اور حالات وضرورت کے مطابق تربیت سے متعلق بعض اہم اور ضروری اصول طے کئے گئے اسی کے ساتھ نصاب تعلیم میں بھی جزوی ترمیم واضافہ کیا گیا۔ اس اضافہ میں مشکوٰۃ شریف کے درس سے پہلے "مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کے پڑھانے کی سفارش کی گئی چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں اس سفارش کے مطابق نصاب میں اسے شامل کرلیا گیا۔ ادھر چند سالوں سے مشکوٰۃ کا درس بندہ سے متعلق ہے لہٰذا تجویز کے مطابق مشکوٰۃ کے درس سے پہلے اس مقدمہ کا درس ہوا۔ دوران درس احساس ہوا کہ بربنائے اختصار طلبہ کو بعض مقامات

میں الجھن پیش آتی ہے۔ نیز طباعت کی بعض ایسی غلطیاں بھی سامنے آئیں جن کی وجہ سے مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ اسلئے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ترجمہ اور مختصر تشریح تحریر کردی جائے تو طلبہ کے لئے کتاب کے سمجھنے میں سہولت ہو گی چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ مکمل بھی ہو گیا جس میں حسب ذیل امور کی بطور خاص رعایت کی گئی ہے۔

(۱) حتی الامکان اغلاط کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کے مقابلہ میں مفہوم کی وضاحت کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے پھر بھی اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ ترجمہ ہی رہے۔

(۳) مغلق عبارت کا حل اور اختصار کی بناء پر اگر کسی جگہ ابہام پیدا ہو گیا ہے تو اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۴) اکثر جگہوں میں شیخ محدث دہلویؒ کی تائید میں دیگر علمائے اصول حدیث کی نقول پیش کی گئی ہیں۔

(۵) حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ سلیس عبارت میں صاف اور واضح مفہوم قاری کے سامنے آجائے۔

بندہ کے محدود علم کے مطابق مقدمہ کی یہ پہلی شرح ہے۔ البتہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس کے دو اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں لیکن مجھے یہ ترجمے حاصل نہیں ہو سکے۔ بعض اصحاب علم سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا عمیم الاحسان ڈھاکہ نے اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا مگر یہ بھی مجھے دستیاب نہ ہو سکا اس لئے اس نقش اول میں خامیوں کا رہ جانا مستبعد نہیں ہے۔ بہر حال یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے جو شائقین علوم حدیث کی خدمت میں پیش ہے۔ پسند آجائے تو بندہ کیلئے دعائے خیر فرمائیں اور اگر کہیں غلطی و تقصیر نظر آئے تو عفو و درگزر سے بندہ کو محروم نہ رکھیں۔

حبیب الرحمٰن قاسمی
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
۱۴۱۶/۵/۲۷ھ

مختصر تذکرہ

شیخ محدث دہلویؒ

نام ونسب وتاریخ ولادت

نام نامی عبد الحق، کنیت ابوالمجد، حقی تخلص اور محدث دہلوی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبد الحق بن سیف الدین، بن سعد الدین، بن فیروز، بن موسیٰ، بن معز الدین، بن محمد ترک بخاری، دہلوی حنفی محرم ۹۵۸ھ، مطابق ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، "شیخ الاولیاء" تاریخ ولادت ہے۔ موصوف کے والد ماجد شیخ سیف الدین صاحب نسبت بزرگ، جید عالم اور بلند پایہ مربی تھے انھوں نے سعادت مند اور ہونہار فرزند کی تعلیم وتربیت کی جانب خصوصی توجہ کی اور ابتدائی کتابیں خود پڑھائیں۔ تصوف کے اعمال واشغال خود سکھائے۔

تعلیم وتحصیل

تیرہ برس کی عمر میں محدث دہلوی نے نحو میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی جون پوری کی "الارشاد" منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) اور عقائد میں علامہ سعد الدین تفتازانی کی شہرہ آفاق کتاب شرح العقائد نسفی وغیرہ پڑھیں اور پندرہ برس کی عمر میں مختصر ومطول ختم کیں، پھر دیگر درسی کتابیں شیخ محمد مقیم تلمیذ میر محمد مرتضیٰ شریفی وغیرہ سے دہلی میں پڑھیں اور کم وبیش بیس برس کی عمر میں جملہ درسیات سے فراغت پائی۔ اس کے بعد سوا برس کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا(۱)

---

(۱) اخبار الاخیار، ص ۳۱۸

علم کی تحصیل و طلب میں اس درجہ انہماک تھا کہ کھیل کود، دوستوں کی ہم نشینی اور میٹھی نیند کی لذت تو دور کی بات ہے وقت پر کھانے اور سونے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:

واز ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست، وخواب کدام، ومصاحبت کیست، آرام چہ، وآسائش و سیر کجا، ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نہ خوردہ وخواب در محل نبردہ ہر روز باوجود غلبۂ برودت ہوائے زمستاں وشدت حرارت تابستاں دو بار بمدرسہ دہلی کہ شاید از منزل مابعد دو میل داشتہ باشد میل میکردم درمیانہ روز اولی وقفہ در غریب خانہ بسبب تناول چند لقمہ کہ سبب عادی قوام حرکت ارادی ست واقع می شد الخ(۱)

اور بچپن ہی سے مجھے نہیں معلوم کہ کھیل کیا چیز ہے، آرام کی نیند کیسی ہوتی ہے، اور احباب کے ساتھ ہم نشینی کس کو کہتے ہیں، آرام و آسائش کیا ہے اور سیر و تفریح کہاں ہوتی ہے تحصیل علم کے شوق میں نہ کبھی وقت پر کھانا کھایا اور نہ وقت پر سویا۔ جاڑے کی سخت ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں ہر روز دو بار دہلی کے مدرسہ میں جاتا جو غالباً ہمارے گھر سے دو میل کے فاصلہ پر ہوگا دوپہر کو گھر میں بس اتنی دیر قیام رہتا جتنی دیر میں چند لقمے کھالیتا جو عادۃً صحت جسم کو برقرار رکھتے ہیں۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

پدراں و مادراں اطفال را خواندن و بمکتب رفتن زجر کنند و عتاب نمایند، مرا در جانب دیگر مبالغہ خطاب می کردند گاہے در اثنائے مطالعہ کہ از نیم شب در می گذشت والدم قدس سرہ مرا فریاد می زد بابا چہ می کنی من فی الحال پا در می کشیدم تا دروغ واقع نہ شود و می گفتم خفتہ ام چہ فرمایند باز برمی نشستم و مشغول می شدم و چند بار در دستار و موئے سر آتش چراغ در گرفتہ باشد و مرا تا رسیدن حرارت آں بجرۂ دماغ خبر نہ۔

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نرفت　　　کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت(۲)

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۳۱۸و۳۱۹ (۲) اخبار الاخیار ص ۳۱۹

ماں باپ عموماً اپنے بچوں کو مدرسہ جانے اور پڑھنے کی تاکید و تنبیہ کیا کرتے ہیں اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی تاکید ہوتی تھی کبھی اثناء مطالعہ آدھی رات گذر جاتی تو والد قدس سرہ پکارتے کہ بابا کیا کرتے ہو میں فوراً لیٹ جاتا تاکہ جھوٹ نہ ہو اور کہتا کہ لیٹا ہوں پھر اٹھ بیٹھتا اور پڑھنے میں مشغول ہو جاتا کئی مرتبہ عمامہ اور سر کے بالوں میں چراغ سے آگ لگ گئی لیکن مجھے اس وقت پتہ چلا جب اس کی حرارت دماغ کو پہونچی۔

چہ دود ہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت۔ کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

تحصیل و تکرار علم کے شوق و شغف کے باوجود بتقاضائے فطرت زمانۂ طفلی میں نماز، وظائف، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی شد و مد کے ساتھ جاری تھا۔(۱)

محدث دہلویؒ نے جب کہ کاروان عمر تیسویں منزل طے کر رہا تھا ۱۶ر شوال ۹۸۵ھ کو شیخ موسیٰ بن حامد حسینی اچی سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ موصوف نے اخبار الاخیار میں اپنے شیخ مرشد کا تذکرہ بڑی عقیدت سے تحریر کیا ہے۔

شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں

۹۹۵ھ میں حج و زیارت کی نیت سے رخت سفر باندھا اور اجین ہوتے ہوئے احمد آباد پہنچے یہاں جتنے دن قیام رہا شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی متوفی ۹۹۸ھ سے قادریہ طریقہ کے بعض اعمال و اشغال کی تحصیل کی پھر یہاں سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے ۹۹۶ھ میں فریضہ حج ادا کیا۔ دس مہینہ مکہ معظمہ میں قیام کر کے ۲۳ر ربیع الثانی ۹۹۷ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے بقول صاحب نزہۃ الخواطر رجب ۹۹۸ھ تک یہیں قیام رہا بعد ازاں مکہ معظمہ واپس آگئے اور ایک زمانہ تک حرم میں اقامت گزیں رہے پھر دوسرا حج کیا۔ شعبان ۹۹۹ھ میں طائف تشریف لے گئے پھر مکہ معظمہ واپس آگئے اور تھوڑے عرصہ یہاں رہکر وطن مالوف لوٹ آئے۔

سرزمین حجاز میں محدث دہلویؒ کا قیام کم و بیش تین برس رہا جس کا اکثر حصہ

(۱) اخبار الاخیار ص ۳۱۰

شیخ عبدالوہاب متقی برہان پوری ثم مکی کی خدمت میں گزرا چنانچہ موصوف خود شیخ علاء الدین مکی کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "انا فی خدمتہ منذ سنتین"(۱) میں شیخ متقی کی صحبت میں دو برس سے ہوں۔

محدث دہلویؒ نے اس طویل مدت میں ان سے خصوصی استفادہ کیا اور شیخ متقی نے ان کو اپنی جملہ مرویات کی اجازت دی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

قد اجاز نی سیدی الشیخ عبد الوهاب بکتب القوم و طرقهم وسلاسلهم واجاز نی من اربع سلاسل القادر یة والشاذلیة والمدنیة والجشتیة۔ سیدی شیخ عبدالوہاب نے مجھے بزرگوں کی کتابوں، ان کے طریقوں اور سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی نیز مشہور چار سلسلے قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ اور چشتیہ کی بھی اجازت دی۔(۲)

محدث دہلویؒ نے شیخ عبدالوہاب متقی کے علاوہ حرم پاک کے دیگر نامور محدثین سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل کی نیز حرم نبوی میں بھی اسی طرح استفادہ وافادہ کا سلسلہ برابر قائم رہا اور حجاز مقدس کے ان نامور محدثین نے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا کہ شیخ عبدالحق نے ہم سے روایت حدیث کی سند حاصل کی اور ہم نے ان سے فہم حدیث میں استفادہ کیا۔ ہندوستانی علماء میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اور شاہ ولی اللہ مسند ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ شیوخ حرم کو بھی فہم معانی حدیث میں ان سے استفادہ پر ناز ہے اور انہوں نے نہایت فراخ دلی سے اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے۔

ہندوستان واپسی

جب علوم ظاہری وباطنی کے اکتساب سے فراغت حاصل ہو گئی تو شیخ

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۲۷۱

(۲) رسالة ذكر الاحوال والاقوال منبهة على رعاية طريق الاستقامة والاعتدال مطبع مجتبائی ص ۳۷۱۔

عبدالوہاب متقی کا حکم ہوا "اکنوں عزیمت ہندوستان بکنید" اب ہندوستان (واپسی) کا عزم کرو۔

چنانچہ محدث دہلوی لکھتے ہیں

"تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ (حجاز کے) علماء کرام سے حاصل کئے خصوصاً حضرت عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ و اوصل الینا فیوضہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے نعمتیں حاصل ہوئیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا" (۱)

درس و تدریس

ہندوستان کے حالات سے محدث دہلوی بہت دل برداشتہ تھے اس لئے ہندوستان واپس آنا نہیں چاہتے تھے لیکن اپنے مرشد و مربی شیخ متقی کے حکم سے چار و ناچار ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آگئے یہ وہ زمانہ تھا کہ اکبر کے جاہلانہ افکار نے دین الٰہی "کی شکل اختیار کر لی تھی ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا۔ شیخ محدث دہلوی نے بدعت والحاد کی پھیلی ہوئی ظلمت اور مذہبی انتشار کو دور کرنے کی غرض سے دہلی میں مسند درس وارشاد بچھا دی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی، اس مدرسہ کا نصاب تعلیم دوسری درسگاہوں سے بالکل مختلف تھا یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی فرمایا کرتے تھے۔

چوں غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم (۲)

درس و تدریس کا یہ غلغلہ محدث دہلوی نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جاری رکھا۔ شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلام اور سنت نبوی کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا مذہبی گمراہیوں کے طوفان اور مخالف طاقتیں

(۱) تالیف قلب الالیف قلمی بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۰۰
(۲) المکاتب والرسائل

بار بار اس دار العلوم کے بام و در سے آ آ کر ٹکرائیں۔
لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی انکے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا۔ جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا تھا۔
شیخ محدث جس طرح خود شب و روز کام میں مشغول رہتے تھے اسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے وابستگان اور متعلقین بے کار نہ بیٹھیں چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند" آدمی کو اس کارخانۂ دنیا میں کام کے واسطے پیدا فرمایا ہے۔

وفات

بالآخر جہد و عمل کا یہ پیکر زندگی کے چورانوے سال شریعت اسلام اور حدیث نبوی علی صاحبها الصلوۃ والسلام کی تعلیم وترویج میں شب و روز مشغول رہتے ہوئے ۲۱؍ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا اپنے وصیت نامہ میں لکھا تھا۔
دعا و تمنائے فقیر از درگاہ الٰہی است اللهم ارزقني شهادةً في سبيلك واجعل موتي ببلد رسولك۔ اگر ایں دعا قبول افتد ہیچ حاجت بوصیت نیست واگر دریں جا اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے پاکان و مغفوران است دفن کنید۔
چنانچہ وصیت کے مطابق آپ کے خلف رشید شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور حوض شمسی کے مشرقی کنارے پر آپ کو دفن کیا گیا۔ شیخ الاولیاء سے ۹۵۸ھ تاریخ ولادت اور فخر عالم سے ۱۰۵۲ھ تاریخ وفات نکلتی ہے

تصنیف و تالیف

شیخ محدث نے چورانوے سال کی عمر پائی جس کا بیشتر حصہ علم کی تحصیل وطلب، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوا جس جوش و خروش سے انھوں نے جوانی میں کام شروع کیا تھا اسی جذبے اور ہمت کے ساتھ آخر عمر تک لسے انجام دیتے رہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد عبد الحمید لاہوری، محمد صالح کنبوہ

اور خافی خان نے سوا سو سے کچھ زائد بتائی ہے اس اندازہ میں مذکورہ مورخین نے غلطی کی ہے انھوں نے وہ مضامین ورسائل بھی علیحدہ کتاب تصور کرلئے جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا جزو ہیں۔

شیخ محدث نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ایک رسالہ میں جس کا نام "تالیف قلب الالف بذکر فہرس التوالیف" ہے "دی ہے یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی تھی اس وقت تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی فہرست کے اختتام پر لکھتے ہیں "ہنوز سلسلۂ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز تا یک جارساند" اس فہرست میں ۴۹؍ کتابوں کے نام درج ہیں فہرس التوالیف کی ترتیب کے بعد شیخ محدث نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائیں تھیں اس طرح ان کی کل تصانیف کی تعداد ۶۰ ہوتی ہے ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں لیکن مقصد ایک ہے جیساکہ خود انھوں نے کتاب الرسائل میں فرمایا ہے کہ "وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں" چنانچہ ان کی تمام علمی وادبی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنت ہی ہے۔

شیخ محدث کی تصانیف تفسیر، تجوید، حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، اخلاق، اعمال، سیر و تاریخ، نحو، منطق و فلسفہ، ذاتی حالات، خطبات و مکاتیب وغیرہ کے موضوعات پر ہیں اور سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے جس سے شیخ محدث کے علمی تبحر کا پتہ چلتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو او ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

شیخ محدث کی ان ۶۰؍ تصانیف میں سے حدیث سے متعلق درج ذیل کتابیں ہیں۔

(١) اشعة اللمعات شرح مشكوٰة فارسی

(٢) لمعات التنقیح فی شرح مشكوٰة المصابیح عربی

(٣) ترجمة الاحادیث الاربعین فی نصیحة الملوك والسلاطین

(٤) جامع البركات منتخب شرح المشكوٰة

(٥) جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین

(٦) رسالة اقسام الحدیث

(۷) رسالہ شب براءت

(۸) ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ

(۹) شرح سفر السعادت

(۱۰) فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان المعروف بہ انوار السنۃ لرواد الجنۃ

(۱۱) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ

(۱۲) تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ

(۱۳) ترجمۃ مکتوب النبی الاہل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل

(۱۴) مقدمۃ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث

پیش نظر کتاب اسی مقدمہ کی شرح ہے۔

اولاد

شیخ محدث کے تین فرزند تھے شیخ نورالحق، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم۔ ان کی وفات کے بعد شیخ نورالحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھالا۔ جس طرح شیخ محدث نے اپنی توجہ کا مرکز مشکوٰۃ المصابیح کو بنایا تھا اسی طرح شیخ نورالحق کی کوششوں کا مرکز ومحور صحیح بخاری تھی انھوں نے چھ جلدوں میں بخاری کی شرح تیسیر القاری کے نام سے فارسی میں لکھی اور اس کو اورنگ زیب کے نام سے منسوب کیا اس کے علاوہ شیخ نورالحق کی درج ذیل کتابیں بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شرح شمائل، تفسیر سورہء فاتحہ، حاشیہ علی شرح الجامی، شرح عضدی، شرح مطالع، شرح ہدایہ، محی القلوب، زبدۃ التواریخ۔

شیخ نورالحق کا علم وفضل اور زہد واتقاء میں دور دور شہرہ تھا سلاطین، علماء، صوفیا سب ان کی قدر کرتے تھے۔ ۹ر شوال ۱۰۷۳ھ کو نوے سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے والد ماجد شیخ محدث کے احاطۂ مزار میں سپرد خاک ہوئے۔

باقی دو صاحبزادے بھی عالم فاضل اور صاحب تصنیف تھے لیکن انھیں کوئی خاص شہرت حاصل نہ ہوسکی۔

الافتتــاح

فى

تعريف الحديث وانواعه

اِعلَم! أنَّ الحديث فى اصطلاح جمهورِ المحدثين يُطلَقُ علىٰ قول النبى صلى الله عليه وسلم وفعلِه وتقريرِه

ومعنى التقرير: انه فعل احدٌ اوقال شيئاً فى حضرته صلى الله عليه وسلم ولم يُنْكِره بل سَكَتَ وَقَرَّر وكذٰلك يُطْلَق عَلى قول الصحابى وفعله وتقريره.

المرفوع:۔ فما انتهى الى النبى صلى الله عليه وسلم" يقال له "المرفوعُ"

الموقوف:۔ وما انتهى الى الصحابى يقال له "الموقوفُ "كما يقال قال اوفَعَلَ اوقَرَّ رَ ابن عباس رض اوعن ابن عباس رض موقوفا او موقوفٌ على ابن عباس رض

المقطوع: ومالنتهى الى التابعى يقال له "المقطوعُ"

الحديث والاثر: وقد خصَّصَ بَعضُهم الحديثَ بالمرفوع والموقوفَ يقال له الاثر، وقد يُطْلَق على المرفوع ايضًا كما يقال الادعيةُ الماثورةُ لما جاء عن النبى صلى الله عليه وسلم.

والطحاوى سَمّى كتابه المُشتَمِلَ على بيان الأحاديث النبويةِ وآثارِ الصحابة "بشرح مَعانِى الآثار" وقال السخاوى: ان

للطبری(١) کتابًا مُسمّیٰ "بتہذیبِ الآثار" مع أنہ مَخصُوصٌ بالمرفوعِ، ومَا ذکَرَ فِیه من الموقوف فبطریقِ التّبعِ والتّطفُّل.

الخبروالحدیث:۔ الخبروالحدیث فی المشہور بمعنیً واحدٍ، وبعضُہم خَصّ الحدیثَ بما جَاءَ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والصحابۃِ والتّابعیَن، والخَبَرَبماجاء عن اخبارِ الملوکِ والسلاطِین والأیام الماضیۃ ولہٰذا یُقَالُ لِمَنْ یَشْتَغِلُ بالسنۃ "مُحَدِّثٌ" ولمن یَشْتَغِل بالتّواریخ اخْباریٌ۔

زالرفع قد یکون صریحا وقد یکون حکماً

القولی الصریح:۔ اما صریحًا، ففی القولی، کقول الصحابی: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم یَقُول کذا، او کقولِہ اوقولِ غَیرِہ: قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم، اوعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کذا۔

الفعلی الصریح:۔ وفی الفعلی: کقول الصحابی: رَأیتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَعَلَ کذا اوعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنّہ فَعَل کذا، اوعن الصحابی اوغیرِہ مرفوعًا اورَفَعَہٗ أنّہ فعَلَ کذا۔

التقــریـــری الصــریــح:۔ والتقریری :ان یقولَ الصحابی او غَیرُہٗ: فَعَلَ فلانٌ اواحدٌ بحضرۃِ النبیِ صلی اللہ علیہ وسلم کَذا ولا یَذکُر انکارَہ

القولی الحکمی:۔ واما حکمًا، فکاخبارِ الصحابی ۔ الذی لم یُخْبِرْ عن الکُتُب المتَقَدِّمَۃِ۔ مالا مَجَالَ للاجتہادِ فیہ عن الأحْوالِ المَاضِیَۃِ کاخبارِ الأنْبِیَاءِ أوالآتِیَۃِ کالملاحِمِ والفِتَنِ واحوالِ القِیَامَۃِ،

١۔ وفی النسخۃ المطبوعۃ مع المشکوٰۃ " للطبرانی" و ہو تصحیف فان للطبرانی لیس کتب باسم تہذیب الآثار بل ہو للطبری و قد ورد اسمُ الطبری فی النسخۃ المطبوعۃ مع لمعات التنقیح۔

اوعن تَرتُّبِ ثوابٍ مخصُوصٍ اوعِقَابٍ مخصُوصٍ على فِعْلٍ، فَانَّه لا سبيلَ اليهِ الاالسَّماعُ عن النبى صلى الله عليه وسلم

الفعلى الحكمي:۔ او يَفْعَل الصحابى مالا مَجَالَ لِلاجتِهاد فيه۔

التقريرى الحكمي:۔ او يُخْبِرُ الصحابِى بأنَّهم كانوا يفعلون كذا في زمانِ النبى صلى الله عليه وسلم لان الظاهر اطِّلاعُه صلى الله عليه وسلم ونُزُولُ الوحِى به او يقولون: ومن السنة كذا لان الظاهرَ أنَّ السُنَّةَ سُنَّةُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، وقال بعضهم اِنَّه يَحتَمِلُ سنةَ الصحابةِ وسنةَ الخُلَفاءِ الرَاشِدِيْنَ فان السنةَ يُطلَقُ عليه۔

آغاز کتاب

حدیث کی تعریف اور اقسام کے بیان میں

ترجمہ وتشریح:-

محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی تعریف

جمہور محدثین کی اصطلاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں یعنی جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے بیان فرمائی یا قلم سے تحریر کرائی وہ قول ہے۔

(اور فعل کا لفظ ظاہری اعضاء اور دل کے عمل دونوں کو شامل ہے)

فائدہ:- قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس شی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی جائے وہ "حدیث" ہے لہٰذا حدیث کی تعریف میں منکر و موضوع وغیرہ سب روایتیں شامل ہوں گی اگرچہ فی نفسہ وہ آنحضرتؐ کا کلام نہیں بلکہ واضع حدیث کا قول ہے۔

اور تقریر کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی مسلمان نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپؐ نے اس پر نکیر فرمائی نہ منع کیا بلکہ خاموش رہے اور اسے ثابت رکھا۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں اسی طرح صحابی و تابعی کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔(۱)

مرفوع: جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اسے "مرفوع" کہا جاتا ہے۔

موقوف: جو صحابی تک پہونچے اسے "موقوف" کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا یا کیا یا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا روایت ہے یا ابن عباسؓ پر یہ حدیث موقوف ہے۔

مقطوع: اور جو حدیث تابعی تک پہونچے اسے "مقطوع" کہا جاتا ہے مثلاً کہا جائے قال سعید بن المسیب کذا او فعل کذا۔

حدیث اور اثر کے مابین فرق: بعض علماء نے حدیث کو مرفوع وموقوف کے ساتھ خاص کیا ہے(۲) کیونکہ موقوف کو اثر کہا جاتا ہے، اور بسا اوقات اثر کا لفظ حدیث مرفوع پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ وہ دعائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ "ادعیۂ ماثورہ" کہلاتی ہیں۔ اسی استعمال کے مطابق امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی نے اپنی کتاب کا نام جو احادیث نبویہ و آثار صحابہ پر مشتمل ہے "شرح معانی الآثار" رکھا ہے اور حافظ سخاوی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ امام محمد بن جریر طبری کی ایک کتاب کا نام "تہذیب الآثار" ہے باوجود اس بات کے کہ یہ کتاب احادیث مرفوعہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں جو موقوف روایتیں ذکر کی ہیں ان کی حیثیت تابع اور طفیلی کی ہے۔

---

(۱) المحقق السید الشریف الجرجانی حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والحدیث اعم من ان یکون قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الصحابی او التابعی وفعلہم وتقریرہم" (ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی ص ۴ مطبوعہ چشمہ فیض لکھنؤ۔) اور ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں "یطلق العلماء السنة احیانا علی ما عمل بہ الصحابة رضی اللہ عنہم اجمعین سواء کان ذلک فی القرآن ام فی المأثور عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ام لا لکونہ اتباعا لسنة ثبتت عندہم او اجتہادا اجتمع علیہ امرہم (المختصر الوجیز فی علوم الحدیث ص۱۸ الطبعة الثالثة۔ بیروت)

(۲) یہ اصطلاح فقہا نے خراسان اور ان کے متبعین کی ہے۔ واصطلح الفقہاء الخراسانیون ومن تبعہم علی ان الحدیث اسم للمرفوع والاثر اسم للموقوف علی الصحابة والتابعین (ظفر الامانی ص۰)

تشریح: ان ائمہ حدیث کا یہ طرز عمل مظہر ہے کہ مرفوع اور اثر دو مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی حقیقت کو بیان کرتے ہیں اور عام علماء کا یہی مختار و پسندیدہ مسلک ہے چنانچہ محقق لکھنوی مولانا عبدالحی ظفر الامانی، ص: ۲۴ میں لکھتے ہیں۔

اثر (لغت میں) کسی شئ کے بقیہ حصہ کو کہتے ہیں چنانچہ اثر الدار گھر کے بچے ہوئے حصہ کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح محدثین و فقہاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین سے مروی باتوں کو اثر کہتے ہیں خواہ وہ مرفوع ہو یا موقوف سلف و خلف جمہور محدثین کی یہی اصطلاح ہے اور یہی جمہور کے نزدیک مختار ہے جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔

خبر و حدیث: اصطلاح مشہور میں دونوں ایک معنی میں ہیں اور بعض علماء نے لفظ حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منسوب روایتوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خبر کو بادشاہوں کی تاریخ اور ماضی کے واقعات کے ساتھ اسی بناء پر حدیث کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کو "محدث" اور تاریخ سے مشغلہ رکھنے والوں کو اخباری کہا جاتا ہے۔

تشریح: خبر و حدیث کی اصطلاح میں محدثین و فقہاء کے تین اقوال ہیں:

(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ خبر و حدیث میں تباین کلی ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول باتوں کو کہا جاتا ہے اور خبر کا لفظ ان کے علاوہ کی باتوں پر بولا جاتا ہے۔

(۲) بعض حضرات قائل ہیں کہ خبر و حدیث میں عموم و خصوص کی نسبت ہے یعنی خبر آنحضرت ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر لوگوں کی باتوں کو کہتے ہیں اور حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کے ساتھ خاص ہے۔

(۳) اور محققین علماء اصول حدیث کہتے ہیں کہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں (۱) یعنی لفظ حدیث خبر کے معنی میں اور خبر حدیث کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

---

(۱) قيل بين الحديث والخبر تباين كلي فالحديث ماجاء عن رسول الله ﷺ اوالصحابي اوالتابعي، والخبر ماجاء عن غير ذلك، وقال بعضهم عموم خصوص مطلقا، فالخبر يصدق على كل ماجاء عن رسول الله ﷺ وغيره والحديث مختص بالاول والتحقيق عند ارباب هذا الفن ان الخبر مرادف للحديث (ظفر الاماني ص ۲۴)

رفع کی دو قسمیں ہیں (۱) صریحی (۲) حکمی، حدیث کبھی مرفوع صریحی ہوتی اور کبھی مرفوع حکمی ہوتی ہے

(الف) صریح قولی: جیسے صحابی فرمائیں "سمعتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقول كذا" یا صحابی و غیر صحابی کہیں "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" یا "عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال كذا"

(ب) صریح فعلی: جیسے صحابی فرمائیں "رأيت رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فعل كذا" یا عن رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم انّه فَعَلَ كَذا اسی طرح اگر راوی حدیث کہے کہ صحابی نے یہ حدیث مرفوعا بیان کی یا اس حدیث کو رفع کیا (سب صورتیں مرفوع فعلی صریح کی ہیں۔)

(ج) صریح تقریری: جیسے صحابی یا غیر صحابی کہیں کہ "فعل فلان بحضرة النبي صلى الله عليه وسلم كذا" فلاں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یوں کیا اور اس فعل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ذکر نہ کریں۔

(د) قولی حکمی: جیسے اہل کتاب سے روایت نہ کرنے والے صحابی کی وہ مرویات جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں کہ ان کا تعلق گذشتہ حالات مثلاً انبیاء سابقین کے واقعات سے ہو یا مستقبل میں پیش آنے والی مہلک جنگوں و فتنوں سے یا قیامت کی ہولناکیوں سے ہو یا وہ خبر کسی خاص فعل پر متعین ثواب و عقاب سے متعلق ہو کیوں کہ ان امور سے مطلع ہونے کی بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے کوئی اور صورت نہیں ہے۔

تشریح: الذي لم يُخبِرْ من الكُتُبِ المتَقدِّمَة، مالا مجال للاجتهاد فيه۔ حدیث قولی حکمی میں یہ دونوں قیدیں اس لئے لائی گئی ہیں کہ اگر اس حدیث کے راوی صحابی اہل کتاب سے بھی روایتیں نقل کرتے ہوں گے تو اس شبہ کی گنجائش پیدا ہو جائیگی کہ ہو سکتا ہے یہ روایت کسی اسرائیلی سے سنکر نقل کر رہے ہوں اس شبہ کو ختم کرنے کے واسطے الذي لم يُخبِر عن الكتبِ المتقدمةِ کی قید لائی گئی ہے، اسی طرح اگر اس حدیث کا معنیٰ ایسی بات پر مشتمل ہو جو غور و فکر اور اجتہاد و استنباط سے

سمجھی جا سکتی ہو تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر نہیں بلکہ اپنے اجتہاد و استنباط سے معلوم کر کے بیان کی ہو اس احتمال کا دروازہ بند کرنے کے لئے مالامجالَ للاجتهاد فیه" کی قید زیادہ کر دی گئی ان دونوں شرطوں سے جب یہ احتمالات ختم ہو گئے تو اب ظن غالب کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ حدیث انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہے۔

فعلی حکمی: حدیث مرفوع فعلی حکمی صحابی کا وہ عمل ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو ظن غالب یہی ہو گا کہ صحابی کے اس فعل کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا عمل پر ہو گی لیکن چونکہ قول و عمل میں ادنی عمل ہے اس لئے ادنی پر حکم لگاتے ہوئے اسے فعلی حکمی ہی کہا جائے گا۔(۱)

تقریری حکمی: صحابی یہ بیان کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہؓ عام طور پر فلاں کام کرتے تھے۔ تو صحابی کا یہ بیان حدیث تقریری حکمی ہو گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کے اس کام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقف رہے ہوں گے اور اس بارے میں وحی نازل ہوئی ہو گی اسی طرح اگر صحابی فرمائیں "من السنة كذا" یہ کام سنت سے ہے (تو یہ بھی حکما حدیث مرفوع ہو گی) کیوں کہ سنت کے لفظ سے بظاہر صحابی کی مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو گی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ سنت سے حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی سنت کا بھی احتمال ہے کیونکہ ان حضرات کے اقوال و افعال پر بھی سنت کا لفظ بولا جاتا ہے (لہٰذا ان حضرات کے نزدیک صحابی کا قول "من السنة" حدیث پر دلالت نہیں کرے گا) لیکن اول ہی مشہور اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے "من السنة" میں بھی فعل و قول دونوں شامل ہیں کیونکہ لفظ سنت قول راجح کے اعتبار سے حدیث کے مرادف ہے لیکن ادنی کا لحاظ کر کے سنت سے فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہو گا۔

---

(۱) تدریب الراوی (ج ۱ ص۱۹٤) ومن الصیغ المحتملة قول الصحابی "من السنة كذا" فالاکثر علی ان ذلك مرفوع ونقل ابن عبد البر فيه الاتفاق .... وفی نقل الاتفاق نظر
نزهة النظر مع بهجة النظر ص ۹۳ مطبوعہ گلزار محمدی لاہور

الفصل الاول
فى
تعريف السند والمتن ومتعلقاتهما

السند: السَنَدُ طَرِيقُ الحديثِ، وهو رجالُهُ الذِينَ رَوَوْه.

الإسناد: والاسنادُ بِمَعْنَاهُ، وقد يَجِئُ بمعنَى ذِكْرِ السندِ، والحِكَايةِ عن طَرِيقِ المتنِ.

المتن: ما انْتَهى اليه الإسنادُ.

المتصل: فانْ لم يَسْقُطْ رَاوٍ من البَيْنِ فالحديثُ "متصلٌ" ويُسمّىٰ عدمُ السقوطِ اتصالاً.

المنقطع: وان سَقَطَ واحدٌ اوأكثرُ، فالحديثُ" مُنْقَطِعٌ" وهٰذا السقوطُ اِنقِطَاعٌ.

المعلق: والسقوطُ اِمّا ان يكونَ من اوّلِ السَنَدِ ، يُسمىٰ مُعَلَّقًا وهٰذا الاسناد تعليقًا والساقط قد يكونُ واحداً، وقد يكون اكثرُ، وقد يُحذَفُ السندُ كما هوعادةُ المُصنّفِينَ يَقُولُونَ: قالَ رسولُ الله صلّى الله عليه وسلّم .

تعليقات البخارى: والتعليقاتُ كثيرةٌ فى تراجِمِ صَحيحِ البخارِى ولها حُكمُ الاِتّصالِ، لأنّه الْتَزَمَ فى هٰذا الكتابِ أنْ لايأتِىَ الابالصحيحِ ولٰكنها لَيسَتْ فى مرتبةِ مَسَانِيدِه الاّ مَا ذُكِرَ منها مُسْنَداً فى موضعٍ آخرَ من كتابه

حكم التعليق بصيغة المعلوم والمجهول: ويُفرّق فيها بأنّ ماذكر بصيغةِ الجزم والمعلوم "كقوله: قال فلانٌ اوذكَرَ فلانٌ" دَلَّ على ثبوتِ إسنادِه عندَهُ، فهو صحيحٌ قطعًا.

ومَا ذكَرَه بصيغةِ التمريضِ والمجهولِ " قيل و يقال ونُكِرَ" ففى صحتِهِ عنده كلامٌ، ولٰكِنّه لمّا أوْرَدَه فى هٰذا الكتابِ كان له أصلٌ ثابتٌ ولهٰذا قالوا تعليقَاتُ البخارِى متّصِلَةٌ صَحيحَةٌ.

المرسل: وإن كان السقوط من آخرِ السندِ فإنْ كان بعدَ التّابِعى فالحديثُ" مرسَلٌ" وهٰذاالفعلُ ارسالٌ كقول التابعى "قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم " وقد يَجِئُ المرسَلُ والمنقَطِع بِمعنًى والاصطلاحُ الاولُ أشْهَرُ.

حكم المرسل: وحكمُ المُرسَلِ التوقفُ عند جُمهورِ العلماءِ لأنَّه لا يُدرَىٰ أنّ السَاقِطَ ثِقَةٌ اولا، لانّ التابعى قديَرْوِى عن التَابعى وفى التأبعين ثقاتٌ وغيرُ ثقاتٍ وعند ابى حنيفةَ: ومالكٍ المُرْسَل مقبولٌ مطلقًا وهم يقولون: إنّما أرسَلَه لِكمالِ الوُثُوقِ والاِعْتمادِ لأنّ الكلامَ فى الثِقَةِ ولولَم يَكُنْ عَندَهُ صحيحًا لم يُرْسِلْه ولم يَقُلْ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وعِندَ الشَافعىّ إنِ أُعتُضِدَ بِوَجْهٍ آخرَ مرسلٍ اومسندٍ وان كان ضَعِيفًا قُبلَ، وعن احمدٌ قَولانِ وهٰذا كُلُه اذا علمَ أنّ عادةَ ذٰلك التّابعى أنْ لا يُرْسِلَ الاَّ عن الثِقَاتِ ولن كانَتْ عَادَتُه أنْ يُرْسِل عن الثِقَاتِ وعن غيرِ الثقاتِ فحكمُهُ التوقُفُ بالاتِفاقِ كذا قَيل وفيه تَفْصِيلٌ أزيدُ مِنْ ذٰلك ذكَرَهُ السَخاوِى فى شرحِ الألفِيّة.

المعضل: وَإنْ كانَ السُقوطُ مِنْ أثْنَاءِ الاسنادِ ، فإنْ كانَ الساقِطُ اثنين متواليًا يُسمّى " مُعْضَلاً" بفتح الضاد

المنقطع: وإنْ كانَ الساقِطُ واحداً اوأكثَرَ من غيرِ مَوْضعٍ واحدٍ يُسمّى منقطعًا وعلى هٰذا يكونُ المُنْقَطعُ قسمًا من غيرِ المتّصلِ

وقد يُطلَقُ المُنقطِعُ بمَعنى غيرِ المُتصِلِ مطلقاً شاملاً لجميعِ الأقسام وبهذا المَعْنَى يُجْعَلُ مقسَمًا أىْ أنَّه لا يكونُ قِسمًا واحدًا بل يشتمِلُ على جميعِ أقسام الانقطاعِ.

طريق معرفة الانقطاع: ويُعْرَفُ الإنقطاعُ وسقوطُ الراوى بمعرفةِ عدمِ الملاقاةِ بين الراوى والمَرْوِى عنه إمَّا بعَدمِ المُعَاصَرةِ اوعدم الإجتمَاعِ والاجَازةِ عنه بحكم عِلْمِ التَّاريْخِ المُبَيِّنِ لمواليدِ الرُّوَاةِ ووفياتِهم وتعيينِ اوقاتِ طَلَبِهِمْ وارتِحَالِهم وبهذا صَارَ عِلمُ التاريخِ اصلاً وعُمدةً عِندَ المُحدِّثين.

المدلَّس: ومن أقسام المُنقطِعِ " المدلس " بضم الميمِ وفتحِ اللامِ المشددة. يقالُ لهذا الفعل "التَّدْلِيس" ولفاعِله "مدلِّس" بكسر اللام

التدليس اصطلاحا: وصُورَتُه أنْ لا يُسَمِّىَ الراوى شَيخَه الذى سَمِعَه منه بل يَرْوِى عمَّنْ فوقَه بلفظٍ يُوهِمُ السَّماعَ ولا يقْطَعُ كِذْبًا كما يقولُ: عن فلانٍ وقال فلانٌ.

التدليس لغةً: التدليس فى اللغة كِتمانُ عيبِ السِّلعَةِ فى البَيْعِ، وقد يُقالُ إنه مُشتَقٌ من" الدَلْس" وهو اختلاطُ الظلام واشتِدادُه سُمِّىَ به لإشتراكهما فى الخفاء.

حكم المدلِّس: قال الشيخ (١) وحُكْمُ مَنْ ثَبَتَ عنه التَّدليسُ أنَّه لا يُقْبَلُ منه الا اذاصرَّحَ بالتَّحْديثِ. (٢)

حكم التدليس: قال الشُمُنِّى التَّدلِيسُ حَرامٌ عندَ الائمّة رُوِىَ عن وكيعٍ قال لا يَحِلُّ تَدليسُ الثَّوبِ فكيفَ بتدلِيسِ الحديثِ وبَالَغَ شُعبةُ فى ذَمِّه.

حكم رواية المدلس: وقدِ اختَلَفَ العلَماءُ فى قَبولِ روايةِ

---

(١) اى شيخ الاسلام الحافظ ابن حجر كما صرح الشيخ فى شرحه لمعات التنقيح.

(٢) كما فى النسخة المط[illegible] مع اللمعات. التنقيح و[illegible] التصحيح.

المدلّس فذهبَ فريقٌ من اهل الحديث والفقه الى أنّ التدليس جرحٌ وأنّ مَنْ عُرفَ به لايُقبَلُ حديثُه مطلقًا، وقيل يُقبَلُ ، وذهبَ الجمهورُ الى قبول و تدليس مَنْ عُرفَ أنّهُ لايُدلّسُ الا مِنْ ثقةٍ كابن عُيَيْنَةَ والى ردِّ مَنْ كَانَ يدُلّسُ عن الضعفاء وغيرهم حتّى ينُصَّ على سماعِه بقولِه: سمعتُ اوحدثنا او اخبَرنا.

اسباب التدليس: والباعثُ على التدليسِ قد يكونُ لبعضِ الناس غرضٌ فاسدٌ ، مثلُ إخفاءِ السَماعِ مِنَ الشيخِ لصِغرِ سِنّه اوعدَمِ شُهْرَتِه وجَاهِهِ عند الناسِ. والّذى وقَعَ مِنْ بعضِ الاكابرِ ليس لمثلِ هذا بل مِن جهةِ وُثُوقِهِم بصِحةِ الحديثِ واستغْنَاءً بشهرة الحالِ، قال الشُمُنّى: يَحتَمِلُ أنْ يكونَ قد سَمِعَ الحديثَ مِنْ جَماعةٍ مِنَ الثِقاتِ وعن ذلكَ الرّجلِ ، فَاستَغْنى بِذِكْرِه عن ذِكرِ أحَدٍ هم اوذِكرِ جَميعِهم لتحقُّقِه بصحةِ الحديثِ فيه كما يُرسِلُ المرْسِلُ.

المضطرب: وان وقَعَ فى اسنادٍ او متنٍ إختلافٌ من الرُواةِ بتقديمٍ اوتاخيرٍ اوزيادةٍ او نقصانٍ ، اوابدالِ راوٍ مكانَ راوآخَرَ ، اومتنٍ مكانَ متنٍ او تصحيفٍ فى اسماءِ السندِ اواجزاءِ المتنِ اوباختصارٍ او حَذفٍ ، او مثلِ ذلك فالحديثُ مُضطَرِبٌ.

حكم المضطرب: فان أمْكَنَ الجمعُ فيهَا ،والافالتوقُّفُ.

المدرج: وإنْ أدْرَجَ الراوى كلامَه او كَلامَ غيرِهِ من صحابى او تابعى مثلاً لِغَرضٍ مِنَ الأغراضِ كبيان اللغة او تفسيرٍ للمعنى او تقييدٍ للمطلَقِ او نحوِ ذلك فالحديثُ مدرجٌ .

الـــروايـــة بالمعنى: وهذا البحثُ يَجُرُّ الى روايةِ الحديثِ ونَقْلِه بالمعنى،وفيه إختلافٌ فالأكثرون على أنّهُ جائزٌ مِمّنْ هوعالِمٌ بالعَرَبيَة" وماهرٌ فى اساليبِ الكلام وعارفٌ بخواصِّ التَراكيبِ، ومَفهُومَاتِ الخطابِ لِئَلا يُخطِئَ بزيادةٍ ونقصانٍ وقيل: جائزٌ فى

مفردات الألفاظ دُونَ المرَكبات.

وقيـل: جائزٌ لمَنْ يَحفظُ ألفاظه حتى يَتمَكنَ مِن التَصرُف فيه

وقيـل: جائزٌ لمَنْ يَحفظُ مَعانِيَ الحديثِ وَنسِيَ الفاظَها للضرورةِ في تحصيل الأحكام، واما مَن استَحضرَ الفاظَه فلا يَجُوزُ له لعدم الضرورة وهذا الخلافُ في الجوازِ وعَدَمه وأمَا أَوْلويَةُ روايةِ اللفظِ من غيرِ تصرُف فيها فمتفقٌ عليه لقوله صلى الله عليه وسلم:

"نضّرَ الله امرأً سمعَ مقالتي فوعَاهَا فادّاها كما سمِعَ"

والنقلَ بالمعنى واقعٌ في الكُتُبِ الستةِ وغيرِها.

العنعنة: والعنعنةُ روايةُ الحديثِ بلفظِ عن فُلانٍ عن فلانٍ".

المعنعن: والمُعَنْعَنُ حديثٌ رُوِيَ بطَريقِ العَنْعَنَةِ وَيُشتَرطُ في العَنْعنة المُعاصرَةُ عند مسلم واللُقيُ عند البخاري والأخذُ عند قوم آخرين ومسلمٌ ردَعلى الفريقَينِ أشدَّ الردِّ، وَبالَغَ فيه وعَنْعَنَةُ المُدلِس غيرُ مقبولَةٍ.

المُسنَد: وكلُ حديثٍ مرفوعٍ سندُهُ متَصل فهو مسنَدٌ هذا هوالمشهورُ المُعتَمدُ عليه وبَعضُهم يُسَمّي كلَ متَصل مسنَداً وإن كان موقوفًا اومقطوعًا وبعضُهم يُسمّي المرفوعَ مسنَداً وان كان مرسلاً او معضَلاً اومنقطعا.

پہلی فصل

سند، متن اور ان کے متعلقات میں

سند: (حدیث تک پہنچانے والا) راستہ یعنی وہ رجال جنہوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔

اسناد: اسناد، سند کے معنی میں ہے، اور کبھی سند بیان کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (یعنی معنیٔ مصدری میں)

تشریح: امام سیوطی نے، ابن جماعہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ محدثین سند اور اسناد کو ایک معنی میں استعمال کرتے ہیں (۱) اور حافظ زین الدین عراقی نے اسناد اور سند کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے الاسناد ھو عبارۃ عن حکایۃ طریق المتن، والسند عبارۃ عن نفس الطریق (۲) یعنی طریق متن بیان کرنے کو اسناد اور خود اس طریق کو سند کہاجاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر میں ایک جگہ اسناد کی تعریف حافظ عراقی کے الفاظ میں کی ہے (۳) اور دوسرے مقام پر الطریق الموصلۃ الی المتن (۴) کے الفاظ سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک اسناد کا استعمال معنی مصدری و معنی اصطلاحی دونوں میں ہوتا ہے۔ سند کو، رجال حدیث، سند حدیث اور اسناد کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

متن: جس (قول، فعل اور تقریر) پر پہنچ کر سند ختم ہو جائے وہ متن ہے۔

---

(۱) قال ابن جماعۃ المحدثون یستعملون السند والاسناد بمعنی واحد۔ تدریب الراوی ج: ۱، ص ۵

(۲) ظفر الامانی ص ۵ (۳) نزھۃ النظر مع بھجۃ النظر، ص: ۹۱

(۴) نزھۃ النظر مع بھجۃ النظر، ص: ۹۱

تشریح:۔ سند اور متن کی تعریف سے معلوم ہوا کہ حدیث کے دو جز ہوتے ہیں ایک رُوات کا اور دوسرا متن کا مثلاً بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان، قال حدثنا یحی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی انہ سمع علقمۃ ابن وقاص اللیثی یقول: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؑ یقول: انما الاعمال بالنیات الخ، اس مکمل عبارت کو حدیث کہا جاتا ہے، جس کے دو جز ہیں، اول حدثنا الحمیدی سے شروع ہو کر سمعت عمر بن الخطاب پر ختم ہوا ہے حدیث کا یہی حصہ "سند" کہلاتا ہے اور دوسرا جز سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انما الاعمال سے آخر حدیث تک ہے یہی آخر حصہ متن حدیث ہے۔

متصل: اگر سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو تو حدیث متصل ہے اور اس عدم سقوط کو اتصال کہتے ہیں۔

منقطع: اگر سند سے ایک راوی یا ایک سے زائد راوی ساقط ہو جائیں تو حدیث منقطع ہے اور یہ سقوط انقطاع ہے۔

معلق: اگر اول سند سے راوی کا نام حذف کر دیا جائے تو اس حدیث کو "معلق" کہتے ہیں اور اس طرح راوی کا چھوڑ دینا "تعلیق" ہے تعلیق میں کبھی ایک راوی کو حذف کرتے ہیں اور کبھی ایک سے زائد اور کبھی پوری سند حذف کر دیتے ہیں عام طور پر مصنفین کی یہ عادت ہے کہ مکمل سند کو حذف کر کے براہِ راست قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؑ: کذا کہہ دیتے ہیں۔

امام بخاری کی تعلیقات: جامع صحیح امام بخاری میں تعلیقات بہت ہیں اور یہ سب تعلیقات اتصال کے حکم میں ہیں، کیونکہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ اس میں صرف احادیث صحیحہ درج کریں گے۔ البتہ یہ تعلیقات ان کی مسند روایات کے درجہ کی نہیں ہیں ہاں اگر کسی حدیث کو ایک جگہ معلق اور دوسری جگہ مسند ذکر کیا ہے تو یہ معلق روایت مسند کے مساوی ہو گی۔

امام بخاری کی تعلیقات میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ امام بخاری جس تعلیق کو صیغہ معلوم و جزم کے ساتھ بیان کریں مثلاً "قال فلان او ذکر فلان" کا صیغہ استعمال کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی سند ان کے نزدیک ثابت ہے لہٰذا یہ حدیث یقینی طور پر صحیح ہے۔ اور جس معلق روایت میں صیغہ مجہول مثلاً قیل، ویقال، وذکر کے صیغے استعمال کریں تو اس کی صحت میں کلام ہے لیکن ان کا "الجامع الصحیح" میں اس حدیث کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ اس حدیث کی اصل ثابت ہے اسی بناء پر محدثین کہتے ہیں کہ امام بخاری کی تعلیقات صحیح ہیں(۱)

مرسل: اور اگر سقوط راوی آخر سند میں ہو یعنی تابعی کے بعد سند حذف ہو تو حدیث مرسل ہے اور اس طرح حذف کرنا ارسال ہے جیسے تابعی اپنے بعد کی سند کو حذف کر کے کہیں "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا" تو یہ حدیث مرسل ہوگی اور تابعی کا یہ عمل ارسال کہلائے گا۔

مرسل کا حکم: جمہور علماء کے نزدیک مرسل کا حکم توقف ہے (یعنی اس

---

(۱) قال المحقق الشيخ عبد الحی فرنگی محلی ان التعليق المذكور فى الصحيحين لا يخلو اما ان يكون متصلا فيهما فى موضع آخر اولا، فان ذكر موصولا فى موضع آخر فهو صحيح بلا ريب اتفاقا وهو كثير وان لم يذكر فيهما موصولا فى موضع آخر بل لم يذكره الا تعليقا وهو كثير فى صحيح البخارى قليل فى كتاب مسلم قاله ابن الصلاح وقال العراقى قلت فى كتاب مسلم من ذلك موضع واحد فى التيمم فحكم هذا النوع انه لا يخلو اما يكون مذكورا بصيغة الجزم او بصيغة التمريض فا الصيغة الاولى تستفاد منها الصحة الى من علق عنه لكن يبقى النظر فى من ابرز من رجال ذلك الحديث فمنه ما يلتحق بشرطه ومنه ما لا يلتحق ومالا يلتحق بشرطه فقد يكون صحيحا على شرط غيره وقد يكون حسنا صالحا للحجية وقد يكون ضعيفا لامن جهة قدح فى رجاله بل من جهة انقطاع يسير فى اسناده والثانية وهى صيغة التمريض لاتستفاد منها الصحة الى من علق عنه لكن فيه ماهو صحيح وفيه ماليس بصحيح، فاما ماهو صحيح فقال ابن حجر لم يجد فيه ماهو على شرطه الا مواضع يسيرة جدا، ومنه ماهو حسن ومنه ماهو ضعيف لاعاضد له الاانه موافق العمل به، ومنه ماهو ضعيف لاجابر له اصلا وهو فى البخارى قليل جد اوحيث يقع ذلك يتعقبه بالتضعيف فهذا حكم التعاليق المرفوعة بصيغتى الجزم والتمريض" (ظفر الامانى ص ۶۰ — ۷۱

کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے سلسلے میں توقف کیا جائے گا اور کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا) کیونکہ معلوم نہیں سند سے ساقط راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ اس لیے کہ تابعی کبھی دوسرے تابعی سے روایت کرتے ہیں اور تابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے افراد ہیں۔

اور امام اعظم ابو حنیفہؒ وامام مالک کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ مرسل نے (حدیث کی صحت پر) کمال وثوق اور پورے اعتماد کی بناء پر ہی حدیث کو مرسلا بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ گفتگو ثقہ کے بارے میں ہے (یعنی یہ اختلاف اس مرسل کے مقبول وغیر مقبول ہونے کے سلسلہ میں ہے جس میں مرسل نے صرف ثقہ سے ارسال کیا ہو اور اگر مرسل ثقہ وغیر ثقہ دونوں طرح کے راویوں سے ارسال کرتا ہو تو اس کی مرسل تو باتفاق غیر مقبول ہے) اگر مرسل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حدیث مرسل کو کسی دوسری حدیث سے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل تائید وقوت حاصل ہو جائے اگرچہ یہ مسند یا مرسل ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو مرسل مقبول ہو جائیگی۔ امام احمد بن حنبل کا اس بارے میں دو قول ہے اول یہ کہ مرسل غیر مقبول اور ضعیف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث مرسل صحیح ہے یہی دوسرا قول حنابلہ کے یہاں راجح ہے۔

مرسل کے سلسلے کی یہ ساری تفصیلات اس صورت میں ہیں جبکہ معلوم ہو کہ ارسال کرنے والے تابعی کی عادت ہے کہ وہ ثقہ راوی ہی سے ارسال کرتے ہیں اور اگر وہ ثقہ وغیر ثقہ دونوں طرح کے راویوں سے ارسال کرتے ہیں تو پھر باتفاق ان کی مرسل کے بارے میں توقف کیا جائے گا جیسا کہ کہا گیا ہے۔(۱) مرسل کے بارے میں اور تفصیلات بھی ہیں جنہیں علامہ سخاوی نے شرح الفیہ (فتح المغیث) میں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) قال الحافظ في شرح النخبة ناقلا عن الرازي من الحنفية وابي الوليد الباجي من المالكية ان الراوي اذا كان يرسل عن الثقات وغيرهم لايقبل مرسله اتفاقاً (نزهة النظر مع بهجة النظر لابي الحسن محمد بن صادق السندي ص۶۱ مطبوعہ گوجرانوالہ محمدی لاہور)

فائدہ: ابن الحنبلی نے حدیث مرسل کے سلسلہ میں بڑی عمدہ تفصیل بیان کی ہے جس کا ذکر اس موقع پر فائدہ سے خالی نہیں ہے اس لئے ذیل میں انکی مکمل عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کیا جارہا ہے۔

والمختار فی التفصیل قبول مرسل الصحابی اجماعًا (لان الجهل بالصحابی لایضرّ فان الصحابة کلهم عدول) ومرسل اهل القرن الثانی (هم التابعون) والثالث (هم اتباع التابعین) عندنا وعند مالك مطلقا وعند الشافعی باحد خمسة امور ان یسنده غیره او یرسله آخر وشیوخهما مختلفة او یعضده قول الصحابی او ان یعضده قول اکثر العلماء، اوان یعرف انه لایرسل الا عن عدل واما مرسل من دون هؤلاء من الثقات فمقبول عند بعض اصحابنا ومرد ود عند آخرین الاان یروی الثقات مرسله کما رووا مسنده (۱)

مرسل کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں مختار یہ تفصیل ہے کہ حضرات صحابہ کی مراسیل اجماعا مقبول ہیں اس لئے کہ صحابی کی عدم معرفت حدیث کے لئے مضر نہیں کیونکہ صحابہ تو سب کے سب عادل ہیں۔ اور دوسرے و تیسرے قرن (تابعین واتباع تابعین) کی مراسیل احناف اور امام مالک کے نزدیک علی الاطلاق مقبول ہیں اور امام شافعی کے نزدیک پانچ باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی صورت میں مقبول ہوں گی ورنہ نہیں (۱) وہ مرسل حدیث کسی دوسری سند سے مسنداً مروی ہو (۲) یا کسی دوسری سند سے مرسلا مروی ہو (۳) اس مرسل کے موافق کسی صحابی کا قول ہو (۴) یا اس کے مطابق اکثر علماء کا قول ہو (۵) یا یہ معلوم ہو کہ ارسال کرنے والا ہمیشہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہے۔

اور قرن ثانی و ثالث کے علاوہ ثقہ راویوں کی مرسل حدیث کو بعض احناف قبول کرتے ہیں اور بعض دوسرے قبول نہیں کرتے البتہ اگر ثقہ رواۃ اسکی مرسل کو اسی طرح روایت کرتے ہوں جس طرح اس کی مسند حدیث کو روایت کرتے ہیں تو اس دوسرے فریق کے نزدیک بھی یہ مرسل مقبول ہو گی

---

(۱) قفو الاثر ص ۲۱۔۲۲

ضروری وضاحت: محدث دہلویؒ مرسل کے حکم کے سلسلے میں لکھتے ہیں حکم المرسل "التوقف" عند جمهور العلماء جب کہ امام مسلمؒ، امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہ مرسل کے بارے میں نا قابل حجت، غیر مقبول، مردود، ضعیف وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ امام مسلم مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں المرسل من الروایات فی اصل قولنا وقول اهل العلم بالاخبار لیس بحجة(۱) اور امام نووی اس کی شرح میں وضاحت کرتے ہیں کہ " وهذاالذی قال هو المعروف" اور سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں وقال النووی المرسل حدیث ضعیف عند جماهیر المحدثین(۲) اور حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں وانما ذکر (ای المرسل) فی قسم المردود للجهل بحال المحذوف" البتہ اگر مرسل ہمیشہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو تو اس کی حدیث مرسل کے بارے میں لکھتے ہیں فان عرف عادة التابعی انه لا یرسل الاعن ثقة فمذهب الجمهور التوقف(۳) ائمہ حدیث کے ان اقوال کے پیش نظر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ محدث دہلویؒ کا یہ قول محدثین کے اقوال کے خلاف ہے لیکن در حقیقت یہ الفاظ کا فرق ہے اور مآل ونتیجہ ایک ہی ہے بلکہ محدث دہلویؒ کی تعبیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ التوقف کہتے ہیں لم یدل دلیل علی رجحان ثبوته ولا رجحان عدم ثبوته یعنی جس کے ثبوت کے راجح ہونے پر دلیل دلالت نہ کرے اور نہ عدم ثبوت پر کوئی رجحان ہو اور ایسی ہی خبر مشکوک کہلاتی ہے اور مردود وضعیف اس حدیث کو کہتے ہیں کہ لم یدل دلیل علی رجحان ثبوته فی نفس الامر یعنی نفس الامر میں جس کے ثبوت کے رجحان پر کوئی دلیل موجود نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حدیث مرسل کے عدم ثبوت کے رجحان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اس لئے مرسل کے سلسلے میں مردود یا غیر مقبول کہنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہو سکتا کہ اس کے عدم ثبوت پر

۱۔ صحیح مسلم ص ۲۲

۲۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۹۸

۳. نزهة النظر مع بهجة النظر ص ۵۹-۶۰ مطبوعه گلزار محمدی لاہور

دلیل موجود ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ استدلال واحتجاج کے سلسلے میں یہ ناقابل قبول ہے اور یہی معنی توقف کا بھی ہے کہ مرسل سے احتجاج کرنے میں توقف کیا جائے اس لئے معنی کے لحاظ سے محدث دہلویؒ کی تعبیر زیادہ اوفق ومناسب ہے اور مآل ونتیجہ کے لحاظ سے دونوں تعبیروں کا حاصل ایک ہی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

معضل: اور اگر درمیان سند سے راوی ساقط ہو گیا ہو اور یہ سقوط پے درپے دو راویوں کا ہو تو ایسی حدیث کو معضل کہتے ہیں (۱)

تشریح: معضل کی تعریف سے ظاہر ہے کہ اس میں درمیان سند سے کم از کم دو راویوں کا لگاتار سقوط ہوگا اور اگر درمیان سند سے ایک راوی ایک جگہ سے اور دوسرا دوسری جگہ سے ساقط ہو جائے تو اس صورت میں وہ معضل نہیں بلکہ منقطع ہوگی ظفر الامانی میں ہے "ویشترط فی المعضل ان یکون السقوط اثنین علی التوالی ولو سقط واحد من موضع وآخر من موضع لم یکن معضلا بل منقطعاً" (۲) اور معضل میں شرط ہے کہ دو راویوں کا پے درپے سقوط ہو لہٰذا اگر ایک راوی ایک جگہ سے اور دوسرا دوسری جگہ سے ساقط ہو جائے تو یہ معضل نہیں بلکہ منقطع ہوگی۔

منقطع: اور اگر ایک راوی یا ایک سے زائد راوی مختلف جگہوں سے ساقط ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہا جاتا ہے اس تعریف کے اعتبار سے حدیث منقطع، غیر متصل السند حدیث کی ایک قسم ہوگی (مگر مقسم یعنی غیر متصل السند میں محض راوی کا سقوط پیش نظر ہے اور قسم یعنی منقطع میں درمیان سند سے ایک یا ایک سے زائد راوی کا سقوط بشرط عدم اتصال ملحوظ ہے)

اور کبھی منقطع کا اطلاق حدیث غیر متصل (یعنی عام معنی پر) ہوتا ہے اس

۱۔ معضل الاعضال بمعنی اعیاء کا اسم مفعول۔ ہے چنانچہ کہتے ہیں "اعضلنی فلان" فلاں نے مجھ کو تھکا دیا اور راوی حدیث مسلسل دو راویوں کو حذف کر کے ساقط راویوں کی ثقاہت اور عدم ثقاہت کے فیصلہ میں ناقد حدیث کو عاجز و درماندہ کر دیتا ہے اس مناسبت سے اسکو معضل کہتے ہیں (ظفر الامانی ص ۱۹۸)

۲۔ ظفر الامانی ص ۱۹۹

وقت منقطع حدیث غیر متصل السند کی جمیع اقسام (معلق، مرسل، معضل وغیرہ) کو شامل ہوگی اور اس استعمال کے لحاظ سے منقطع بجائے ایک خاص قسم کے مقسم ہوگی اور معلق ومرسل وغیرہ اس کی اقسام ہوں گی جبکہ پہلی تعریف کے لحاظ سے معلق، مرسل اور معضل، منقطع کی قسم ہیں۔

انقطاع سند کی معرفت کا طریقہ: راوی کا سند سے سقوط راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ملاقات کے نہ ہونے سے معلوم ہوگا اور دونوں کے درمیان ملاقات کا نہ ہونا یا تو بایں وجہ ہوگا کہ باہم معاصرت نہیں ہے بلکہ دونوں الگ الگ زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں یا معاصرت تو تھی مگر دونوں کا ایک جگہ اجتماع نہ ہو سکا اور شیخ سے (جس سے روایت کر رہا ہے) راوی کو اس کے حوالے سے حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور یہ باتیں تاریخ یعنی فن اسماء الرجال سے معلوم ہونگی جس میں راویان حدیث کی تاریخ ولادت، ان کی تاریخ وفات، طلب علم کا زمانہ اور تحصیل علم کے لئے اسفار کے اوقات کی تفصیلات ہوتی ہیں اسی بناء پر فن اسماء الرجال محدثین کے نزدیک ایک بنیادی اور قابل اعتماد فن ہو گیا۔

فن اسماء الرجال کی اسی اہمیت کے پیش نظر علماء اسلام نے اسکی جانب بطور خاص توجہ کی اور اسے اس درجہ ترقی دی کہ آج وہ اس فن کے موسس اور پیشوا مانے جاتے ہیں اور دنیا اس موضوع پر ان کی امامت اور پیشوائی کو تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتی ہے" ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء"

مُدلَّس: حدیث منقطع کی ایک قسم مدلس بھی ہے (یہ لفظ میم کے پیش اور لام مشدد کے زبر کے ساتھ صیغۂ اسم مفعول ہے، یہ فعل تدلیس کہلاتا ہے اور اس کے کرنے والے کو مدلِس (بکسر الام) کہتے ہیں۔

تدلیس کی اصطلاحی تعریف: تدلیس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے اصل شیخ کو جس سے (براہ راست حدیث) سنی ہے ذکر نہ کرکے اس کے اوپر (مثلاً شیخ الشیخ) سے اس طور پر روایت کرے کہ گمان ہو کہ یہ حدیث اس نے اسی اوپر کے شیخ سے سنی ہے اور اس صورت میں صریحی طور پر کذب بیانی نہ کرے یعنی سمعت، حدثنی وغیرہ اداء حدیث کے وہ صیغے جو لقاء وسماع کے معنی میں صریح

ہیں ان کا استعمال نہ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ جمہور کے نزدیک مدلس کے بجائے کاذب ہو جائیگا بلکہ ایسے الفاظ اختیار کرے جو سماع اور عدم سماع دونوں کا احتمال رکھتے ہیں مثلاً عن فلان یا قال فلان کہے۔

تنبیہ: محدث دہلویؒ نے تدلیس کی تعریف میں " بل یروی عمن فوقہ" کو مطلق رکھا ہے لہٰذا اس اطلاق میں اس فوق سے مدلس کی لقاء وعدم لقاء دونوں صورتیں داخل ہوں گی جبکہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ان التدلیس یختص بمن روی عمن عرف لقائہ ایاہ فاما ان عاصرہ ولم یعرف انہ لقیہ فھو المرسل الخفی (۱) یعنی تدلیس اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ راوی مدلس اپنے شیخ کی بجائے ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت ہو اور اگر ان دونوں میں معاصرت تو ہو مگر لقاء کا ثبوت نہیں تو اس صورت میں مرسل خفی ہوگی۔

اور اگر اپنے شیخ کو حذف کر کے ایسے شخص سے روایت کر رہا ہے جو اس کا معاصر نہیں ہے تو قول مشہور کے اعتبار سے یہ بھی تدلیس نہیں ہوگی اگرچہ بعض لوگ اس صورت کو بھی تدلیس میں شمار کرتے ہیں (۲)

محدث دہلوی نے اس مسئلہ میں حافظ ابن صلاح امام نووی اور حافظ عراقی کے قول کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان مذکورہ حضرات کے یہاں لقاء کی شرط ضروری نہیں ہے بلکہ معاصرت کافی ہے (۳)

تدلیس کا لغوی معنی: لغت میں تدلیس کہتے ہیں اسباب بیع کے عیب چھپانے اور رات کی شدت کو لہٰذا تدلیس دَلَس سے مشتق ہوگی اور انقطاع سند کی اس خاص صورت کو تدلیس بایں لحاظ کہتے ہیں کہ مدلس اصطلاحی اور دَلَس لغوی دونوں میں خفا اور پوشیدگی ہوتی ہے یعنی جس طرح تاریکی سے اشیاء مخفی ہو جاتی ہیں اسی طرح تدلیس سے سقوط راوی چھپ جاتا ہے۔

۱۔ شرح نخبۃ الفکر مع بھجۃ النظر ص ۶۸

۲۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۲۴

۳۔ بھجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۶۳

مدلس کا حکم: قال الشیخ یعنی شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ جس راوی کے بارے میں تدلیس کا ثبوت ہو جائے اس کی صرف وہی روایت قبول کی جائے گی جسے تحدیث کی صراحت کے ساتھ بیان کرے حدثنی، سمعت وغیرہ صیغے سے حدیث نقل کرے تو قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

حکم تدلیس: شیخ شمنی (بضم شین و میم و تشدید نون) نے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک تدلیس حرام ہے امام وکیع بن جراح سے مروی ہے کہ جب تدلیس کپڑا فروخت کرنے میں حلال نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کیونکر حلال ہو سکتی ہے۔(۱)

اور امام شعبہ نے تدلیس کی مذمت میں مبالغہ کیا ہے۔(۲)

مدلس کی روایت کا حکم: مدلس کی روایت کے قبول (اور عدم قبول) کے بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں

(۱) محدثین و فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تدلیس (ایک طرح کی) جرح ہے اور اگر کسی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی (یعنی جس طرح دیگر مجروح بعیب قادح کی روایتیں رد کر دی جاتی ہیں اس کی روایت بھی رد کر دی جائے گی۔

(۲) اور کہا گیا ہے کہ قبول کیجائے گی (یعنی ایک جماعت تدلیس کو بالکل معتبر نہیں سمجھتی لہٰذا اس کے نزدیک مدلس کی روایت علی الاطلاق مقبول ہو گی)

(۳) جمہور محدثین و فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس مدلس کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہے جیسے سفیان بن عیینہ (وغیرہ) تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور جو ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے تو جب تک صریح طور پر سماع کو بیان نہ کرے اس کی روایت قابل قبول نہیں ہو گی (اس آخری قول پر جمہور متاخرین کا عمل ہے)

---

۱. کفایۃ ص۳۵٦

۲. قال شعبۃ بن الحجاج کما اخرجہ الشافعی: التدلیس اخوالکذب" وعنہ: التدلیس اشد من الزنا وھو مبالغۃ فی الزجر. (ظفر الامانی، ص۲۲۳)

اسباب تدلیس: تدلیس کا باعث بعض لوگوں کے لئے کبھی غرض فاسد ہوتی ہے مثلاً شیخ کی کم سنی کی وجہ سے سماع کو اس سے مخفی کر دینا یا شیخ کے لوگوں میں مشہور اور صاحب مرتبہ نہ ہونے کی بنا پر (اس کے نام کو حذف کر دینا)

اور جو تدلیس اکابر محدثین (مثلاً سفیان بن عیینہ وغیرہ) سے صادر ہوئی ہے وہ غرض فاسد کی بناء پر نہیں تھی بلکہ ان کے حدیث کی صحت پر اعتماد یا شہرت حال کی بنا پر (یعنی جس شیخ کو سند سے حذف کیا ہے اس شیخ سے ان کا روایت کرنا درجۂ شہرت میں پہنچا ہوا تھا اس اعتماد پر شیخ کا نام حذف کر کے شیخ مافوق کا نام لے لیا)

شیخ شمنی (۱) نے (بر بنائے شہرت) تدلیس کی ایک صورت یہ بیان کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ راوی مدلس نے کسی حدیث کو ثقات کی ایک جماعت سے سنی ہو (اور ثقہ راویوں کی یہ جماعت ایک معروف شخص سے روایت کرتی ہو پس راوی مدلس) اس رجل معروف سے (روایت کرے) اور اس رجل معروف کا ذکر دینے کی بناء پر اس جماعت ثقات یا ان میں سے کسی ایک کے (جو براہ راست اس کے شیوخ ہیں) ذکر سے مستغنی ہو جائے کیونکہ اس صورت (مذکورہ) میں حدیث کی صحت (ثقہ راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرنے کی وجہ سے) اس کے نزدیک محقق ہے جس طرح مرسل روایت کی صحت پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ارسالاً نقل کر دیتا ہے۔

اس تشریحی ترجمہ سے معلوم ہوا کہ شیخ شمنی کی عبارت کی تقدیر یوں ہے

قد سمع (الراوی المدلس) الحدیثَ من جماعةٍ من الثقات

---

(۱) "الشمنی" شین و میم کے ضمہ اور نون مشدد کے ساتھ شمنہ کی جانب نسبت ہے باب قسطنطنیہ میں شمنہ نام سے کاشت کی زمین تھی یہ نسبت اسی زمین کی جانب ہے اور اس نسبت سے شیخ احمد بن محمد بن محمد بن الحسن ابو العباس تقی الدین الشمنی الاسکندری الحنفی مشہور ہیں شیخ موصوف ۸۰۱ھ میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے اور ۸۷۲ھ میں قاہرہ میں وفات پائی شیخ یحییٰ سیرانی، شیخ جمال الدین حنبلی الکی زبیری اور حافظ ولی الدین عراقی وغیرہ سے علوم و فنون کی تحصیل کی اور حسب تصریح امام سیوطی جملہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے طالبان علم کی ایک بڑی جماعت نے ان کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا جن میں امام سیوطی اور حافظ سخاوی جیسے نابغہ عصر شامل ہیں۔ حاشیہ مغنی اللبیب، حاشیہ شفا قاضی عیاض، کمال الدرایہ شرح النقایہ، شرح منظومہ نخبۃ الفکر ان کی تصنیفی یادگار ہیں مزید حالات کے لیے دیکھئے الفوائد البہیہ ص: ۳۰ بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ، ص: ۱۶۳ الضوء اللامع، ج: ۲، ص: ۱۷۴ وغیرہ۔

الذين يروون عن رجل معروف فيَروى المُدلسُ) عن ذٰلك الرجل فاستغنىٰ بذكره (اى بذكر ذٰلك الرجل) الخ.

فائدہ: تدلیس کی مشہور تین قسمیں ہیں (۱) تدلیس الاسناد (۲) تدلیس الشیوخ (۳) تدلیس التسویہ ان تینوں قسموں میں صرف پہلی قسم یعنی تدلیس الاسناد کو محدث دہلویؒ نے یہاں بیان کیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

تدلیس شیوخ کی صورت یہ ہے کہ شیخ کا ذکر اس کے غیر معروف نام سے کرے یہ غیر معروف نام خواہ علم ہو یا کنیت، یا لقب، یا نسبت تا کہ عام لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ تدلیس کی یہ صورت علامہ خطیب بغدادی، امام بخاری وغیرہ سے ثابت ہے۔ تدلیس الاسناد کی طرح یہ تدلیس بھی اگر غرض فاسد سے نہ ہو تو چنداں مضر نہیں ہے پھر بھی خلاف اولیٰ ہے۔

تدلیس تسویہ کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ ثقہ کے بجائے شیخ کے شیخ کو جو ضعیف اور کمتر درجے کا راوی ہے حذف کر دے اور اس کے اوپر جو ثقہ شیخ ہے اس کا نام ذکر کرے تا کہ بظاہر حدیث کی سند عمدہ و قوی ہو جائے تدلیس کی یہ سب سے بدترین و قبیح صورت ہے جو سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

مضطرب: اگر حدیث کی سند یا متن میں متعدد راویوں (یا ایک ہی راوی) کے بیان میں اختلاف ہو جائے یہ اختلاف تقدیم و تاخیر میں ہو یا زیادتی و کمی میں، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کے بدل دینے یا ایک متن کو دوسرے متن سے بدل دینے میں ہو یا سند کے ناموں یا متن کے اجزاء میں تصحیف ہو جانے سے یا اختصار و حذف وغیرہ سے اختلاف واقع ہو جائے تو (اصطلاح میں ایسی مختلف فیہ) حدیث مضطرب (کہلاتی) ہے۔ اگر ان مختلف فیہ روایتوں میں جمع و تطبیق ممکن ہو تو بہتر ہے ورنہ اس سے استدلال موقوف رہے گا۔

ضروری وضاحت: ثبوت اضطراب کے لئے ضروری ہے کہ مختلف روایتیں درجہ میں مساوی ہوں اور کوئی قرینہ مرجحہ بھی نہ ہو کیونکہ قوی و ضعیف کے مابین اختلاف معتبر ہی نہیں اسی طرح قرینہ مرجحہ کی صورت میں بھی مرجوح، شاذ، یا منکر ہو کر ساقط الاعتبار ہو جائے گی اور اضطراب مضر نہ

ہوگا چنانچہ حافظ ابن حجر ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں ان الاختلاف عند النُقاد لایضر اذا قامت قرائن علی ترجیح احدی الروایات اوامکن الجمع علی قواعدھم(۱) ناقدین فن کے نزدیک قرائن ترجیح یا تطبیق کی صورت میں اختلاف واضطراب مضر نہیں ہے اور اگر ترجیح و تطبیق ممکن نہ ہو تو جمہور محدثین کے نزدیک یہ اضطراب حدیث کے لئے مستلزم ضعف ہوگا۔ لیکن راوی یا راوی کی ولدیت یا نسبت میں اختلاف واضطراب ہو تو یہ صحت حدیث کے لئے مضر نہیں اور اس اضطراب کے باوجود حدیث علی مراتب الرواۃ صحیح یا حسن ہوگی چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

وقع فی کلام شیخ الاسلام ابن حجر ان الاضطراب قد یجامع الصحۃ و ذٰلك بان یقع الاختلاف فی اسم رجل واحد وابیه و نسبته و نحو ذٰلك ویکون ثقة فیحکم للحدیث بالصحة ولایضر الاختلاف فیما ذکر مع تسمیته مضطربا فی الصحیحین احادیث کثیرة بهذه المثابة وکذا جزم الزرکشی بذٰلك فی مختصره فقال: وقد یدخل القلب والشذوذ والاضطراب فی قسم الصحیح والحسن(۲)

مدرج: اگر راوی نے اپنایا کسی دوسرے مثلاً صحابی یا تابعی کا کلام کسی غرض سے حدیث میں شامل کردیا مثلاً بیان لغت، معنی کی تفسیر، یا مطلق کو مقید کرنے یا اسی جیسی اور غرض سے تو یہ حدیث مدرج ہے

تشریح: "ادراج" باب افعال سے "ادخال الشئ فی الشئ" کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور محدثین کی اصطلاح میں ادراج کی دو قسمیں ہیں "ادراج فی السند" اور ادراج فی المتن" متن میں ادراج کی صورت یہ ہے کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی راوی کا کلام اس طور پر داخل کردینا کہ بظاہر خیال ہو کہ یہ بھی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

۱. ھدی الساری ص ۵۲۶ الحدیث السبتون.

۲. تدریب الراوی ج۱ ص۱۷۳

وسلم ہی ہے۔ یہ ادراج عام طور پر آخر حدیث میں ہوتا ہے اور کبھی اول اور وسط میں بھی ہوتا ہے۔

سند میں ادراج کی تین قسمیں ہیں

(۱) کسی راوی حدیث کے پاس دو سندوں کے ساتھ دو متن ہوں اس نے دونوں متنوں کو ایک ہی سند سے ملا کر بیان کر دیا۔

(۲) راوی نے کسی حدیث کو ایک ایسی جماعت سے سنا جن کی سندیں الگ الگ ہیں۔ راوی نے اختلاف سند بیان کئے بغیر ایک سند سے اس حدیث کو نقل کر دیا۔

(۳) راوی کے پاس کوئی حدیث ایک سند سے تھی مگر اس حدیث کا ایک حصہ اس سند سے منقول نہیں تھا بلکہ یہ حصہ اسے دوسری سند سے حاصل ہوا تھا راوی نے پوری حدیث دونوں سندوں میں سے ایک سند سے نقل کر دی۔

ادراج کا حکم: ادراج کی حرمت پر محدثین کا اتفاق ہے ابن السمعانی وغیرہ کہتے ہیں بالقصد ادراج کرنے والا ساقط العدالت ہے اور جو شخص کلام کو اسکی اپنی جگہ سے بدل دے جھوٹوں کیساتھ ملحق ہے۔ البتہ جو ادراج لغوی معنی کے بیان یا معنی حدیث کی تفسیر و توضیح کے لئے ہو اس سے چشم پوشی کی جائیگی لیکن اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ اپنے کلام کو کلام رسول اللہ ﷺ سے ممتاز کر کے بیان کرے۔

اور اگر ادراج بالقصد نہیں بلکہ خطا سے واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ انسان خطاء و نسیان سے بری نہیں ہو سکتا لیکن یہ خطاء کثیر ہو گئی تو پھر وہ ضبط و اتقان کی حیثیت سے مجروح ہو جائیگا (۱)

روایت بالمعنی: مسئلہ ادراج سے روایت بالمعنی (یعنی حدیث کو اس کے اصل الفاظ کی بجائے دوسرے ہم معنی الفاظ میں نقل کرنا) کی بحث نکل آئی۔ اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں جس کی تفصیل یہ ہے

(۱) اکثر علماء حدیث کا مسلک یہ ہے کہ روایت بالمعنی اس شخص کے لئے جائز ہے جو عربیت کا عالم، اسلوب کلام میں ماہر، ترکیب کے خواص اور خطاب کے مفہوم سے واقف ہو (کیونکہ مذکورہ علوم میں ماہر روایت بالمعنی کے وقت) حدیث

---

(۱): المختصر الوجیز فی علوم الحدیث ص ۱۷۹۔۱۸۰۔۱۸۱

میں زیادتی اور کمی کی غلطی نہیں کریگا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو صرف، نحو، لغت، اشتقاق اور فنون بلاغت میں کمال دسترس رکھتا ہو اس کے لئے نقل حدیث بالمعنی جائز ہے؟ جمہور محدثین و فقہاء کا یہی مسلک ہے اور یہی مذہب منصور ہے۔

(۲) بعض حضرات قائل ہیں کہ الفاظ مفردہ میں (روایت بالمعنی کے ذریعہ تغیر) جائز ہے مرکبات میں نہیں۔

(۳) کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ جسے الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے کیونکہ جسے حدیث کے الفاظ یاد ہونگے وہ ان الفاظ میں (ان کے مترادفات کے ذریعہ) تغیر و تبدیل پر قادر ہوگا۔

(۴) ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جسے حدیث کا معنی و مفہوم تو یاد ہے مگر اس کے الفاظ بھول گیا ہے اس کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے یہ (جواز) احکام حاصل کرنے کی ضرورت کی بناء پر ہے۔ رہا جسے خود الفاظ حدیث یاد ہیں اس کے حق میں یہ ضرورت نہیں اس لئے اسے روایت بالمعنی کا حق نہ ہوگا

حضرات علماء کے مختلف اقوال روایت بالمعنی کے جواز اور عدم جواز سے متعلق ہیں رہی بات بغیر کسی تصرف کے روایت بالفاظ حدیث کے اولی اور بہتر ہونے کی تو اس پر سب ہی کا اتفاق ہے اس لئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج ذیل کا ظاہر اسی کا مثبت ہے

" نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها فاداها كما سمع"

"اللہ تعالی تر و تازہ اور خوش و خرم رکھے ایسے شخص کو جس نے میری بات سنی پھر اسے محفوظ کیا اور جن الفاظ میں سنا انھیں الفاظ میں ادا کیا" روایت بالمعنی کتب ستہ وغیرہ میں کثرت سے موجود ہے۔(۱)

معنعن کی تعریف اور حکم: حدیث کو عن فلان، عن فلان سے روایت کرنے کو عنعنہ کہتے ہیں۔

تشریح: عنعنہ بروزن فعللہ مصدر جعلی ہے جیسے بسملہ وحمدلہ وغیرہ کما صرح

(۱) شرح نخبۃ الفکر مع بهجة النظر ص ۱۰۵-۱۰۷

السخاوی وغیرہ مُعنعِن بصیغہ اسم فاعل لفظ عن سے روایت کرنے والا راوی، مُعنعَن عنہ مُعنعِن کا شیخ اور مُعنعَن بصیغہ اسم مفعول وہ حدیث جو صیغہ عن سے روایت کی گئی ہو۔

حدیث معنعن کا حکم: جو حدیث عنعنہ کے طریق پر روایت کی گئی ہو (اس کے متصل السند ہونے کے لئے) امام مسلمؒ کے نزدیک معنعِن اور معنعَن عنہ میں معاصرت کی شرط ہے اور امام بخاری کے نزدیک (کم از کم ایک بار ہی سہی) ملاقات کی شرط ہے اور بعض محدثین کے نزدیک معنعِن کا معنعَن عنہ سے اخذ حدیث بھی ضروری ہے۔ امام مسلمؒ نے (اپنے مقدمہ میں) ان دونوں فریق کا نہایت شدت سے رد کیا ہے اور اس رد میں کافی مبالغہ سے کام لیا ہے (یہ تفصیل غیر مدلس راوی سے متعلق تھی) اور مدلس کا عنعنہ تو (باتفاق) مقبول نہیں ہے۔

تشریح: حدیث معنعن کا راوی اگر مدلس نہیں ہے اور مروی عنہ (شیخ) سے اس کی ملاقات (اگرچہ ایک بار ہی) ثابت ہو یا ایسے قرائن موجود ہوں جو لقاء کے متقاضی ہوں تو باتفاق شیخین (امام بخاری و مسلم) یہ روایت متصل السند ہوگی (۱) اور اگر معنعِن و معنعَن عنہ باہم معاصر تو ہیں لیکن دونوں کی لقاء کا ثبوت نہیں تو امام مسلم کے نزدیک یہ روایت متصل السند ہوگی اور امام بخاری کے نزدیک نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء بھی ضروری ہے۔

امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط زائد پر سخت الفاظ میں نقد کیا ہے لکھتے ہیں

وقد تکلم بعض منتحلی الحدیث من اهل عصرنا فی تصحیح الاسانید وسقیمها ــــ ان کل اسناد لحدیث فیه فلان عن فلان وقد احاط العلم بانهما قدکانا فی عصر واحد وجائز ان یکون الحدیث الذی روی الراوی عمن روی عنه قد سمعه منه ــــ غیر انه لانعلم له منه سماعا ــــ ان الحجة لاتقوم عنده بکل خبرجاء هذا لمجیٔ حتی یکون عنده العلم بانهما قد اجتمعا من دهرهما مرة ــــ وکان الخبر عنده موقوفا حتی

۱۔ کما صرح الحافظ فی هدی الساری غیرمرة البخاری یعتمد هذه الصیغة اذا حفّت قرینة تقتضی الاتصال

یرد سماعه منه لشی من الحدیث —— وهذا القول —— فی الطعن فی الاسانید مخترع مستحدث غیر مسبوق صاحبه الیه ولا مساعد له من اهل العلم علیه" الخ (۱)

ہمارے زمانے کے بعض نام نہاد محدثین سند کو صحیح و سقیم قرار دینے میں یوں گویا ہیں کہ ہر وہ حدیث جو فلاں عن فلاں کے صیغہ سے مروی ہو اور یقینی طور معلوم ہو کہ معنعِن اور معنعَن عنہ ایک زمانہ میں تھے اور یہ امکان بھی ہو کہ معنعِن نے یہ روایت معنعَن عنہ سے سنی ہو مگر سماع کا ہمیں علم نہیں ہو سکا تو ایسی حدیث (نام نہاد محدث) کے نزدیک اس وقت تک قابل استدلال نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں زندگی میں ایک بار مل چکے ہیں تاوقتیکہ لقاء کا ثبوت نہ ہو جائے اس کے نزدیک اس حدیث سے استدلال موقوف رہے گا حدیث معنعن کی سند میں طعن کا یہ قول خود تراشیدہ، نو پید اور اہل علم کی نقل و موافقت سے عاری ہے۔

مسند کی تعریف اور بیان اختلاف: ہر حدیث مرفوع جس کی سند متصل ہو وہ مسند ہے۔ مسند کی یہی تعریف مشہور و معتمد ہے اور بعض حضرات (یعنی حافظ خطیب بغدادی) ہر متصل السند کو مسند کہتے ہیں اگرچہ وہ موقوف و مقطوع ہی ہو۔ اور بعض علماء (حافظ ابن عبدالبر مراد ہیں) محض مرفوع کو مسند کہتے ہیں اگرچہ وہ معضل و منقطع ہی ہو۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مشہور و معتمد تعریف میں مسند ہونے کیلئے مرفوع اور متصل السند ہونا ضروری ہے ان دونوں قیدوں کے بغیر حدیث مسند نہ ہوگی۔ حافظ خطیب نے صرف متصل السند ہونے کا اعتبار کیا ہے لہٰذا ان کی تعریف کے لحاظ سے موقوف و مقطوع حدیث بھی مسند میں داخل ہو جائینگی البتہ امام خطیب نے اسی کے ساتھ یہ بھی صراحت کی ہے کہ موقوف و مقطوع متصل السند پر مسند کا اطلاق کم ہے (۲) اور حافظ ابن عبدالبر نے صرف مرفوع ہونے کا اعتبار کیا ہے اسلئے انکی تعریف کے لحاظ سے مسند کی تعریف میں مرسل، معضل، منقطع حدیثیں بھی داخل ہو جائیں گی حافظ ابن حجر نے اس آخری قول کو ابعد قرار دیا ہے۔

(۱) مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۱ (۲) شرح نخبۃ الفکر مع بھجۃ النظر ص ۱۰۶

الفصل الثانى

فى الشاذ والمنكر والمعلل والاعتبار
ومن اقسام الحديث الشاذ والمنكر والمعلل

الشاذ لغةً: الشاذ فى اللغةِ مَنْ تفرّدمنَ الجماعةِ وَخَرجَ منها.

الشاذّ اصطلاحا: وفى الاصطلاح: مارُوِىَ مخالفًا لِمَارَواه الثقاتُ. فإنْ لم يَكُنْ راوِيهِ ثِقَةً فهو مَرْدُوْدٌ و إنْ كان ثقة فسبيلُه التَرْجِيْحُ بمزيدِ حِفْظٍ وَضَبْطٍ او كَثْرَةِ عَدَدٍ ووُجُوْهٍ أُخَرَ مِنَ التَرجيحَاتِ فاالرَاجِحُ يُسَمَّىٰ محفوظًا والمرجوحُ شاذاً

المُنكَر: والمنكر حديثٌ رَواه ضَعِيفٌ مخالفًا لِمَنْ هُوَأَضْعَفُ مِنْه ومُقَابِلُه المعْروفُ.

حكم المعروف والمنكر والشاذ والمحفوظ: فالمنكر والمعروف كلاً رَاوِيهما ضَعِيفٌ وَأَحَدُهما أضعَفُ مِنَ الآخَرِ وفى الشَاذِ والمحفُوظِ قَوِىٌّ أَحَدُهُما أَقْوىٰ مِنَ الآخَرِ. والشَاذ والمُنْكَرُ مَرجُوحَانِ والمحفوظُ والمعروفُ راجِحَانِ.

تعريفٌ آخَرُ للشاذِّ: وبَعْضُهم لَمْ يَشْتَرِطوا فى الشاذِ والمنكَرِ قَيدَ المُخَالَفَةِ لِرَاوٍ آخر قويًا كانَ أوْضعيفًا وقالوا: الشاذُ مارَوَاهُ الثِقَةُ وَتفَرّدَ به، ولايُوْجَدُ له أصلٌ مُوافِقٌ وَمُعَاضِدٌ له وهذا صَادِقٌ على فَرْدٍ ثِقَةٍ صَحِيحٍ.

تعريف ثالث للشاذ: وبعضهم لم يعتبروا الثقة ولا المخالفة،

تعريف آخر للمنكر: وكذلك المنكر، لم يخصوه بالصفة المذكورة وسموا حديث المطعون بفسق أو فرط غفلة وكثرة غلط منكرا وهذه اصطلاحات لا مشاحة فيها.

المعلل: والمعلل، بفتح اللام. إسناد فيه علل وأسباب غامضة خفية قادحة في الصحة يتنبه لها الحذاق المهرة من أهل هذا الشان كإرسال في الموصول ووقف في المرفوع ونحو ذلك.

وقد تقصر عبارة المعلل عن إقامة الحجة على دعواه كالصيرفي في نقد الدينار والدرهم.

المتابع: وإذا روى راو حديثا، وروى راو آخر حديثا موافقا له يسمى هذا الحديث متابعا. بصيغة اسم الفاعل وهذا معنى مايقول المحدثون: تابعه فلان. وكثيرا ما يقول البخاري في صحيحه، ويقولون: وله متابعات.

فائدة المتابعة: والمتابعة توجب التقوية والتأييد. ولا يلزم أن يكون المتابع مساويا في المرتبة للأصل وإن كان دونه يصلح للمتابعة.

درجات المتابعة: والمتابعة قد يكون في نفس الراوي، وقد يكون في شيخ فوقه والأول أتم وأكمل من الثاني، لأن الوهن في أول الإسناد أكثر وأغلب.

متى يستعمل "مثله" "ونحوه": والمتابع إن وافق الأصل في اللفظ والمعنى يقال "مثله" وإن وافق في المعنى دون اللفظ يقال "نحوه"

شرط المتابعة: ويشترط في المتابعة أن يكون الحديثان من صحابي واحد.

الشاهد: وإن كان من صحابيين يقال له "شاهد" كما يقال: له شاهد

مِن حَديثِ أبي هُرَيرَةَ ، وَيُقال له شَواهِدُ ، ويَشْهَدُ به حديثُ فلانٍ۔

تعريف آخر للمتابع والشاهد: وبعضهم يَخُصُّونَ المتابَعةَ بالموافَقَةِ فى اللفظِ ،والشاهِدَ فى المعنى سواءٌ كانَ مِنْ صحابِي واحدٍ اومِن صحابِيَيْنِ وقد يُطْلَقُ الشاهِدُ والمتابِعُ بمعنى واحدٍ والامر فى ذٰلك هين۔(۱)

الاعتبار: وتَتَبُّعُ طُرُقِ الحديثِ وآسانيدِها بقصدِ مَعْرِفَةِ المتابِعِ والشاهِدِ يُسمّى الاعتبار۔

كما فى النسخه المطبوعة مع لمعات التنقيح و فى الاصل "بين"۔

دوسری فصل

شاذ، منکر معلل اور اعتبار کے بیان میں

حدیث (غیر مقبول) کی قسموں میں شاذ، منکر اور معلل (بھی) ہیں

شاذ کے لغوی معنی: شاذ لغت میں اسے کہتے ہیں جو جماعت سے علیحدہ اور الگ ہو جائے۔

شاذ کے اصطلاحی معنی: شاذ اصطلاح محدثین میں وہ حدیث کہلاتی ہے جو ثقہ راویوں کے مخالف روایت کی جائے اگر مخالف راوی ثقہ نہ ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث مردود ہے، اور اگر ثقہ کی مخالفت کرنے والا بھی ثقہ ہے تو اس صورت میں ترجیح کا طریقہ جاری ہوگا (یعنی) حفظ وضبط کی زیادتی یا کثرت رواۃ وغیرہ اسباب ترجیح کے تحت ایک روایت کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی اور راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہا جائے گا۔

منکر کی تعریف: منکر وہ حدیث ہے جسے راوی اضعف (کمزور ترین) راوی ضعیف کے مخالف روایت کرے منکر کی مقابل معروف ہے (اور شاذ کی مقابل محفوظ ہے جیسا کہ اوپر کے بیان سے واضح ہے)

تنبیہ: محدث دہلویؒ کی عبارت "والمنکر حدیث رواہ ضعیف مخالفا لمن هو اضعف منه" میں قدرے اغلاق ہے۔ لمن هو اضعف منه میں ضمیر "هو" کا مرجع "ضعیف" ہے اور منه کی ضمیر مجرور "لمن" موصولہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک حدیث کے دو راوی ہوں "ضعیف" اور "اضعف" اور دونوں روایت کرنے میں اختلاف کر رہے ہوں تو اضعف کی روایت منکر اور ضعیف کی روایت معروف ہوگی۔

شاذ و منکر کی تعریف سے معلوم ہوا کہ شاذ و محفوظ کے راوی ثقہ ہیں البتہ محفوظ کا راوی ثقاہت میں راجح اور شاذ کا راوی ثقاہت میں اپنے مقابل کے لحاظ سے مرجوح اور

معروف ومنکر روایتوں کے دونوں راوی ضعیف ہیں فرق اگر ہے تو کمزور درجہ کا ہے اور معروف کا راوی ضعیف اور منکر کا ضعف ضعف کی شدت اور عدم شدت میں ہے کہ معروف کا راوی ضعیف اور منکر کا ضعف ہے۔

معروف ومنکر اور شاذ ومحفوظ کا حکم: معروف ومنکر دونوں میں سے ہر ایک کے راوی ضعیف ہیں البتہ ان میں سے ایک دوسرے سے ضعف میں بڑھا ہوا ہے۔ اور شاذ ومحفوظ دونوں کے راوی قوی ہیں البتہ ان میں سے ایک دوسرے سے قوی تر ہے۔ شاذ ومنکر مرجوح اور محفوظ ومعروف راجح ہیں (لیکن نخبۃ الفکر اور اسکی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں راوی ضعیف ثقات کی مخالفت کرے فاضل ابوالحسن سندھی نے بہجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، ص: ۴۸ میں لکھا ہے ونقل عن المصنف انه اذا خالف الضعيف الاضعف فيقال للضعيف المعروف والاضعف المنكر ايضا كذا ذكره اللقاني۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے اس میں دو قول ہیں۔ محدث دہلوی نے حافظ ابن حجر کے اسی دوسرے قول کو اختیار کیا ہے كما هو الظاهر۔

شاذ کی ایک اور تعریف: اور بعض محدثین (امام حاکم) نے شاذ ومنکر میں دوسرے راوی (خواہ وہ قوی ہو یا ضعیف) کی مخالفت کی شرط کا اعتبار نہیں کیا ہے اور شاذ کی تعریف یوں کرتے ہیں الشاذ مارواه الثقة وتفرد به الخ۔ یعنی شاذ وہ حدیث ہے جس کی روایت میں ثقہ راوی منفرد ہو اور اس کی موافقت وتائید میں کوئی اصل موجود نہ ہو، شاذ کی یہ تعریف ثقہ راوی کی روایت فردِ صحیح پر صادق آتی ہے مطلب یہ ہے کہ شاذ کی اس تعریف سے حدیث غریب صحیح بھی شاذ میں داخل ہو جاتی ہے اس لئے شاذ کی یہ تعریف ناقص ہے (۱)

شاذ کی تیسری تعریف: اور بعض حضرات نے شاذ کی تعریف میں ثقہ اور مخالفت کی قید کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

تشریح: یہاں بعضهم سے مراد حافظ ابو یعلی الخلیلی اور ان کے اتباع ہیں وہ شاذ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

---

۱. قال الحاكم في كتابه معرفة علوم الحديث ص: ۱۱۹ "فاما الشاذ فانه حديث يتفرد به ثقة من الثقات وليس للحديث اصل متابع لذلك الثقة.

الشاذ: هو ليس له الا اسناد واحد يشذ به ثقة اوغيره فما كان عن غير ثقة فمتروك وماكان عن ثقة توقف فيه ولا يحتج به (۱)

شاذ وہ روایت ہے جو صرف ایک سند سے مروی ہو سند کا یہ راوی متفرد ثقہ ہو یا غیر ثقہ، جو شاذ روایت غیر ثقہ سے مروی ہو وہ متروک ہوگی اور جو ثقہ سے مروی ہوگی وہ موقوف ہوگی اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

منکر کی ایک دوسری تعریف: اسی طرح بعض علماء حدیث نے منکر کو مذکورہ تعریف کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے بلکہ جو حدیث (اپنے راوی کے) فسق یا کثرت غفلت یا زیادتی غلط سے مطعون ہو اسے منکر کہتے ہیں یہ (الگ الگ) اصطلاحیں ہیں اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ راوی ضعیف یا اضعف کی حدیث جو راوی مقبول یا ضعیف کے مخالف ہو نیز کثرت غفلت اور فسق سے مجروح راوی کی حدیث علماء اصول کی اپنی اپنی اصطلاح کے اعتبار سے منکر کہی جاتی ہے اس طرح سارے اقوال جمع ہو جائیں گے اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔

معلل کی تعریف: معلل: بفتح لام (یعنی مصدر تعلیل سے اسم مفعول ہے) وہ اسناد جس میں کوئی پوشیدہ، دقیق و باریک علت و سبب ہو جو صحت کو عیب دار بنادے جس پر علوم حدیث کے ماہرین ہی متنبہ ہوتے ہیں جیسے موصول سند کو مرسل اور مرفوع کو موقوف بنادینا وغیر ذلك اور بسا اوقات معلِّل (علت قادحہ کو بیان کرنے والا) اپنے دعوے پر پورے طور پر دلیل قائم نہیں کر پاتا کیونکہ اس کا تعلق زیادہ تر ذوق پر ہے اور ذوقی امور پر دلیل قائم کرنا مشکل ہے جیسے روپے پیسے کا تاجر درہم ودنانیر کو دیکھتے ہی اپنے ذوق سے کھوٹے اور کھرے سکے کو پہچان لیتا ہے مگر اس کی دلیل بیان کرنے سے بسا اوقات قاصر رہ جاتا ہے۔

تشریح: علمائے حدیث کے عرف میں علت سے مراد وہ مخفی اور غامض و دقیق سبب ہے جو راوی کے وہم سے شرط صحت کی جامع حدیث میں خلل انداز ہو جاتا

---

۱. جواهر الاصول ص: ۴۷ للامام ابی الفیض محمد بن محمد الفارسی الحنفی المشهور بفصیح الهروی المتوفی سنہ ۸۳۷ھ

ہے یہ سبب قادحہ اکثر اسناد میں واقع ہوتا ہے اور کبھی متن میں اور کبھی سند و متن ہر دونوں میں پایا جاتا ہے(۱) محدث دہلوی نے معلل کی تعریف "اسناد فیه علل" میں اسناد کی قید اسی کثرت کے اعتبار سے لگائی ہے۔ یعنی یہ قید احترازی نہیں اکثری ہے۔

اس فن میں امام ابو حاتم کی تصنیف علل الحدیث اور حافظ دار قطنی کی العلل الواردة فی الاحادیث النبویة جامع ترین کتابیں ہیں۔

متابع: جب ایک راوی کسی حدیث کی روایت کرے اور کوئی دوسرا راوی پہلے راوی کے موافق حدیث بیان کرے تو اس دوسری حدیث کو متابع (بلفظ اسم فاعل) کہتے ہیں محدثین کے قول "تابعه فلان" کا یہی مطلب ہے امام بخاری اپنی "الجامع الصحیح" میں اس اصطلاح کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں، اسی معنی و مفہوم میں وله متابعات کا جملہ بھی ہے۔

متابعت کا فائدہ: متابعت سے تقویت و تائید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے متابع کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اصل کے ہم رتبہ ہو اصل سے کم درجہ کی روایت بھی متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

متابعت کے درجات: متابعت کبھی خود راوی کو حاصل ہوتی ہے اور کبھی راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ میں جو راوی سے اوپر ہے حاصل ہوتی ہے پہلی متابعت (جو خود راوی کو حاصل ہوتی ہے) دوسری قسم سے زیادہ مکمل ہے اس لئے کہ اول سند میں ضعف زیادہ تر پیش آتا ہے (اس لئے کہ سند کا سلسلہ جس قدر طویل ہوتا ہے اسی قدر خطاء و غلطی کا احتمال بڑھ جاتا ہے)

مثله ونحوه کا فرق: متابعت اصل سے لفظ و معنی میں بالکل موافق ہو تو اس وقت "مثله" کہا جائے گا اور صرف معنی میں موافق ہو لفظ میں نہیں تو اس صورت میں "نحوه" کہا جائے گا۔

متابعت کی شرط: متابعت کی شرط یہ ہے کہ متابع اور اصل دونوں حدیث ایک صحابی سے مروی ہوں۔

شاہد: اگر دونوں حدیثیں ایک صحابی کی بجائے دو صحابہ سے مروی ہوں تو دوسری

۱۔ جواہر الاصول ص: ۸؛

روایت کو "شاہد" کہا جائے گا چنانچہ محدثین اس صورت میں "له شاهد من ابى هريرة" "له شواهد، ويشهد به حديث فلاں" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

متابع اور شاہد کی ایک دوسری تعریف: بعض محدثین متابع اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصل سے لفظ و معنی میں موافق ہو خواہ ایک صحابی سے مروی ہو یا دو سے اور شاہد اسکو کہتے ہیں جو اصل سے صرف معنی میں مطابق ہو (ان حضرات کی اصطلاح میں اعتبار لفظ و معنی میں موافقت اور عدم موافقت کا ہے صحابی کے ایک یا دو ہونے کا لحاظ نہیں ہے۔

اور کبھی کبھی تسامحاً شاہد اور متابع کو ایک ہی معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے یعنی شاہد کی جگہ متابع اور متابع کی جگہ شاہد کا اطلاق کیا جاتا ہے "والامر فى ذلك سهل" (اس لئے کہ مقصود اصلی یعنی اصل کی تائید و تقویت دونوں سے حاصل ہوتی ہے خواہ کسی کو متابع کہا جائے یا شاہد (باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک) یعنی یہ صرف اصطلاحی فرق ہے ورنہ مقصود دونوں سے ایک ہی ہے۔)

محدث دہلوی اور حافظ ابن حجر دونوں کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ متابع کی جگہ شاہد کا اور شاہد کی جگہ متابع کا استعمال مساوی ہے لیکن حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کی ہے کہ متابعت کا اطلاق شاہد پر اکثر ہوتا ہے مگر شاہد کا اطلاق متابعت پر قلیل اور کم ہے (۱) امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"وتسمى المتابعة شاهدا ولايسمى الشاهد متابعة" (۲)

متابعت کو شاہد کہا جاتا ہے لیکن شاہد کو متابع نہیں کہتے متابع اور شاہد کی تفصیلی بحث کے لئے مقدمہ ابن الصلاح ص: ۳۱-۳۲، فتح المغیث للعراقی ص: ۹۳، فتح المغیث للسخاوی اور تدریب الراوی للامام سیوطی کا مطالعہ کیا جائے۔

اعتبار: متابع و شاہد کی معرفت کے لئے (کتب حدیث جوامع، مسانید، معاجم، مشیخات، الاجزاء وغیرہ سے) حدیث کی سند کا تتبع اور تلاش و جستجو کا نام اعتبار ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مصنفات حدیث سے سندوں کی چھان بین تاکہ حدیث فرد کا تابع یا شاہد معلوم ہو جائے اصطلاح محدثین میں اعتبار کہلاتا ہے۔

۱۔ تصحيح النظر فى توضيح نخبة الفكر فارسى ص ۴۶

۲۔ مقدمه امام نووى مع شرح مسلم ص: ۱۸

الفصل الثالث
فى
الصحيح والحسن والضعيف

وَأصلُ أقسامِ الحديثِ ثَلاَثَةٌ : فَالصَّحِيحُ أعلىٰ مَرتَبَةً، وَالضَّعِيفُ ادنىٰ مرتبةً والحسنُ متوسّطٌ وَسَائِرُ الأقسَامِ الَّتِىْ ذُكِرَتْ دَاخِلَةٌ فِى هٰذهِ الثَّلاَثَةِ.

الصحيح: فالصَّحِيحُ مَا ثَبَتَ بِنَقْلِ عَدْلٍ تَامِّ الضَّبْطِ [متَّصل السَّنَدِ] (١) غَيرِ مُعَلَّلٍ وَلاَ شَاذٍ.

الصحيح لذاته: فَانْ كَانَ هٰذهِ الصِّفَاتُ علىٰ وَجهِ الكَمَالِ وَالتَّمَامِ فَهُوَ صَحِيحٌ لِذَاتِه.

الصَّحِيحُ لغيره: وَإنْ كَانَ فِيهِ نَوعُ قُصُوْرٍ، وَوُجِدَ مَا يَجْبُرُ ذٰلكَ القُصُوْرَ مِنْ كَثْرَةِ الطُّرُقِ فَهُوَ الصَّحِيحُ لِغَيْرِه.

الحسن لذاته: وَإنْ كان لَمْ يُوْجَدْ فَهُوَ الحَسَنُ لِذَاتِه.

الضعيف: وَمَا فُقِدَ فِيهِ الشَّرَائِطُ المُعْتَبَرَةُ فِى الصَّحِيحِ كُلاًّ او بعضاً فَهُوَ الضَّعِيفُ.

الحسن لغيره: والضعيفُ إنْ تَعَدَّدَ طُرُقُه، وانْجَبَرَ ضَعْفُهُ يُسَمّىٰ حَسَناً لِغَيْرِه.

---

١. ليس فى الاصل متصل السند ولابد منه.

النقصان المعتبر في الحسن: وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّهُ يَجُوْزُ ان تَكُوْنَ جَمِيْعُ الصِّفَاتِ المَذكورةِ فِي الصحيحِ نَاقِصَةً فِي الحسنِ، لكِنَّ التَحْقِيْقَ أَنَّ النُّقْصَانَ الذي اُعْتُبِرَ في الحسنِ انما هُوَ بخفة الضبْطِ وباقِي الصِفَاتِ بِحَالِهَا.

العدالة: وَالعَدَالَةُ مَلَكَةٌ فِي الشَخْصِ تَحْمِلُه على مُلَازَمَة التقوى وَالمروة.

التقوى: وَ المراد بالتقوى اِجْتِنَابُ الأعمالِ السيّئة مِنَ الشِرْك وَالفسقِ وَالبدْعَةِ وَفِي الاجْتِنَابِ عَنِ الصغيرةِ خِلَافٌ. وَالمُخْتَارُ عَدَمُ اشْتِرَاطِه لِخروجه عَنِ الطَاقَةِ الا الاِصْرَارُ عَلَيها لِكَوْنه كبيرةً.

المروة: والمُرَادُ بِالمُرُوَّةِ التَنَزُّهُ عَن بعضِ الخَسَائِس وَالنَقائص التي هي خِلَافُ مُقْتَضى الهِمَّةِ وَالمُرُوَّةِ مِثْلُ بَعضِ المُبَاحَات الدنيئة كَالأَكْلِ وَالشُرْبِ في السُوقِ وَالبَوْلِ فِي الطَرِيقِ وَأَمْثَال ذلك.

تنبيـــه: وَيَنْبَغِيْ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ عَدْلَ الرِوَايَةِ أَعَمُّ مِنْ عدلِ الشهَادَةِ، فَانَّ عَدلَ الشهَادَةِ مَخْصُوْصٌ بالحُرِّ، وَعَدلَ الرِوَايَةِ يَشْتَمِلُ الحُرَّ وَالعَبْدَ.

الضبط: وَالمُرَادُ بَالضَبْطِ حِفْظُ المَسْمُوْعِ وَتَثْبِيْتُهُ مِنَ الفَوَات وَالاخْتِلَالِ بحَيْثُ يَتَمَكَّنُ مِن اِسْتِحْضَارِه. وهو قسمان (١) ضَبطُ الصدر (٢) وضَبطُ الكِتَاب، فَضَبطُ الصدْرِ بِحِفظِ القَلبِ وَوَعْيِه، وضَبْطُ الكتَابِ بِصِيَانَتِه عِنده الى وقتِ الأداء.

تیسری فصل

صحیح، حسن، ضعیف حدیثوں کے بیان میں

حدیث کی اصل قسمیں تین ہیں۔ صحیح اعلیٰ درجہ کی، ضعیف ادنی درجہ کی اور حسن متوسط درجہ کی۔ گذشتہ فصلوں میں جتنی قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ سب انہیں تینوں قسم میں داخل ہیں۔

حدیث صحیح: جو حدیث عادل، تام الضبط راویوں سے (سند متصل کے ساتھ) ثابت ہو اور معلل و شاذ نہ ہو (وہ صحیح ہے)

صحیح لذاته: جس حدیث میں صحیح کی صفات مذکورہ کامل طور پر پائی جائیں۔

صحیح لغیرہ: جس میں صفات کی کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے یہ کمی دور ہو گئی ہو (چونکہ یہ حدیث صحت کے درجہ میں امر خارجی یعنی کثرت سند کے ذریعہ پہنچتی ہے اس لئے اسے صحیح لغیرہ یعنی غیر کی وجہ سے صحیح کہتے ہیں، بر خلاف صحیح لذاتہ کے کہ اس کی صحت بذاتہ یعنی خود اس کی ذات میں ہے)

حسن لذاته: جس حدیث میں صفات صحت کی قدرے کمی ہو اور یہ کمی تعدد طرق سے زائل نہ ہوئی ہو۔

حدیث ضعیف: جس میں صحیح کی کل یا بعض شرطیں نہ پائی جائیں۔

حسن لغیرہ: وہ حدیث ضعیف جس کا نقصان اور ضعف تعدد طرق سے دور ہو گیا ہو۔

تنبیـــہ: حضرات علماء اصول کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرائط صحت

یعنی عدالت، حفظ وضبط میں کمال، سند کا اتصال اور علل وشذوذ سے بری ہونا کسی تخصیص کے بغیر ۲ اگر کسی حدیث میں کمتر درجہ میں ہو اور کثرت طرق ہو تو وہ حدیث حسن ہو جائے گی لیکن محقق بات یہ ہے کہ حدیث حسن میں کمالِ حفظ وضبط کے علاوہ بقیہ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(یعنی تعدد طرق سے صرف حفظ وضبط کی کمی سے جو ضعف آیا تھا وہی دور ہو گا بقیہ شرطوں کی کمی سے پیدا شدہ ضعف تعدد طرق سے ختم نہیں ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث ضعیف کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا ضعف تعدد طرق سے زائل ہو جائے گا، جیسے سوء حفظ، ارسال، اور راویٔ مستور وغیرہ کی بناء پر جو ضعف ہو گا وہ کثرت سند سے ختم ہو جائے گا۔ اور ضعیف کی دوسری قسم وہ ہے جس کا ضعف تعدد طرق سے ختم نہیں ہو گا جیسے راوی کے کذب یا اتہام کذب، یا فسق وغیرہ کی وجہ سے حدیث میں جو ضعف آئے گا تعدد طرق اسے دور نہیں کر سکے گا)

تشریح: (الف) حدیث صحیح کی تعریف بتا رہی ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) راوی کا عادل ہونا (۲) تام الضبط ہونا (۳) سند کا متصل ہونا یہ تیسری شرط کتاب میں مذکور نہیں جب کہ یہ ضروری ہے غالباً سہو کاتب سے یہ شرط درج نہیں ہو سکی (۴) علت قادحہ سے بری ہونا (۵) شذوذ سے پاک ہونا۔

عدالت کی قید سے کاذب وفاسق کی روایت خارج ہو گئی، تام الضبط سے کثیر الغفلت کثیر الغلط (یعنی بہت زیادہ غفلت اور غلطی کرنے والا) کی روایت خارج ہو گئی اتصال سند کی شرط سے منقطع، معضل وغیرہ خارج ہو گئیں اور معلل کی قید سے وہ روایتیں خارج ہو گئیں جن میں راوی کے وہم سے کوئی عیب مضر مثلاً موصول کا ارسال وصل منقطع، رفع موقوف وغیرہ پیدا ہو گیا ہو اور شذوذ کی قید سے وہ روایتیں خارج ہو گئیں جن میں راویٔ ثقہ نے اپنے سے قوی کی مخالفت کی ہو۔

(ب) محدث دہلوی کی توضیح سے معلوم ہو گیا کہ حسن وہ حدیث ہے جس کے راوی میں کمال ضبط کی کمی ہو یعنی نفس ضبط تو موجود ہے مگر جیسی قوت وپختگی صحیح کے راوی میں تھی حسن کے راوی میں وہ پختگی اور مضبوطی نہیں ہے اس لئے

اس کی روایت ایک درجہ پہنچ کر گئی حدیث حسن باتفاق محدثین وفقہاء مقبول ولائق استدلال ہے۔

(ج) حسن لغیرہ اصل کے اعتبار سے حدیث ضعیف ہے مگر امر خارجی یعنی کثرت طرق سے اس میں قوت آگئی اور درجۂ حسن کو پہنچ گئی اگر یہ کثرت طرق نہ ہوتا تو یہ ضعیف کی ضعیف ہی رہتی۔

ضعیف جس میں صحیح وحسن کی شرطیں نہ پائی جائیں خواہ کل شرطیں مفقود ہوں یا بعض موجود ہوں اور بعض مفقود۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی نے ضعیف حدیث کی انچاس ۴۹ قسمیں شمار کرائی ہیں مگر ضعیف کی یہ تعریف ان تمام قسموں کی جامع ہے (۱) مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ صحیح کی ایک شرط اتصال سند ہے اب اگر کسی حدیث میں یہ شرط نہ پائی جائے یعنی اس کی سند منقطع ہو تو حدیث ضعیف ہو جائے گی اور اس انقطاع کی مختلف صورتوں کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف منقطع، معضل، مرسل، مدلس، مرسل خفی اور معلق کے نام سے موسوم ہوگی اسی طرح صحت وحسن کی ایک شرط عدالت راوی ہے اب اگر کسی حدیث کا راوی کاذب، یا متہم بالکذب یا فاسق ہے تو یہ حدیث ضعیف ہوگی اور علی الترتیب موضوع، متروک اور منکر کے نام سے موسوم ہوگی اس طرح حدیث ضعیف کی بہت ساری قسمیں ہو جائیں گی۔

عدالت اور ضبط: حدیث کی اقسام ثلثہ کی تعریف اور ضروری تنبیہ کے بعد صحیح کی تعریف میں واقع دو الفاظ عدالت اور ضبط کی اصطلاحی مراد بیان کر رہے ہیں کہ عدالت اس قوت نفسانیہ راسخہ کا نام ہے جو انسان کو تقویٰ اور مروت کے التزام پر آمادہ رکھے۔

تقویٰ: اور تقوی سے مراد برے اعمال یعنی شرک، فسق اور بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ تقوی کی شرائط میں صغیرہ گناہوں سے اجتناب بھی داخل ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور مختار قول یہی ہے کہ صغیرہ سے اجتناب تقویٰ کے شرائط میں سے نہیں ہے۔

---

۱. مقدمہ ابن صلاح ص [illegible]

کیونکہ بالکلیہ صغیرہ سے اجتناب طاقت بشری سے خارج ہے (الامن عصمہ اللہ) البتہ صغیرہ پر اصرار منافی تقوی ہے کیونکہ اصرار علی الصغیرہ بھی کبیرہ ہے (کما یقال)

مروت: اور مروت سے مراد خسیس اور گھٹیا کاموں سے جو تقاضائے عزم وہمت کے خلاف ہیں بچنا خواہ وہ مباح ہی کیوں نہ ہوں جیسے بازار میں کھانا پینا راستے میں پیشاب کرنا وغیرہ۔

تنبیہ: اس موقع پر یہ بات جان لینی مناسب ہے کہ عدل فی الروایہ عدل فی الشھادہ سے عام ہے اس لئے کہ شہادت کی عدالت آزاد کے ساتھ خاص ہے جب کہ روایت میں عدالت آزاد اور غلام دونوں کو شامل ہے۔

روایت اور شہادت کے باہمی فرق کے لئے علامہ سیوطی کی تدریب الراوی، ج:ا، ص: ۳۳۲، کو دیکھا جائے انہوں نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور روایت وشہادت کے درمیان اکیس۲۱ فرق شمار کرائے ہیں۔

ضبط: ضبط سے مراد شیخ سے سنی ہوئی احادیث کو اس طور پر یاد رکھنا اور گم شدگی وخلل سے اس طرح محفوظ رکھنا کہ ان کے بیان ونقل پر پوری قدرت حاصل رہے اور ضبط کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) ضبط صدر (۲) ضبط کتاب، ضبط صدر کا مطلب دل میں یاد ومحفوظ رکھنا اور ضبط کتاب (کی شرط یہ ہے کہ شیخ سے سنی اور صحیح کی ہوئی کتاب کو) سماع کے وقت سے اداء کے وقت تک اپنے پاس محفوظ رکھنا۔

بعض محدثین نے اس شرط کے سلسلہ میں بڑی سختی برتی ہے کیونکہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر حدیث کی روایت میں کتاب پر اعتماد اور بھروسہ ہو تو کتاب کے غائب ہو کر واپس مل جانے کی صورت میں اس سے روایت کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ احتمال پیدا ہو گیا ہے کہ زمانۂ غیبوبت میں اس کے اندر تغیر وتبدل کر دیا گیا ہو۔

لیکن جمہور محدثین کہتے ہیں کہ اگر ظن غالب ہو کہ کتاب تغیر وتبدل سے محفوظ ہے تو اس سے روایت کرنا درست ہے (ا)

۱۔ نزھۃ النظر ص: ۸۱،

الفصل الرابع

فی

وجوه الطعن المتعلقة بالعدالة

اما العدالة: فوُجوهُ الطعْنِ المُتعلِّقة بها خمسٌ.

(١) الأوّل: بالكذب (٢) والثاني: باتّهامه بالكذب (٣)والثالث:

بالفسق (٤) والرابع: بالجهالة (٥) والخامس: بالبدْعة.

(١)الكَذِب: والمُرادُ بكذِبِ الرّاوی: أنّهُ ثَبتَ كذبُهُ في الحَديْث النبوی صلی الله عليه وسلّمَ إمّا بإقرارِ الوَاضِعِ او بغَيْرِ ذلِكَ مِن القرائن: وَحديْثُ المَطْعُوْنِ بالكَذِبِ يُسمّى "مَوضُوْعاً"

حُكمُ مُتَعمِّدِ الكَذِبِ: وَمَنْ ثَبتَ عَنْهُ تَعمُّدُ الكَذِبِ فِی الحَدِيْثِ وانْ كَانَ فِی العُمر مرّةً، وَإِنْ تَابَ مِنْ ذلِكَ ، لَمْ يُقْبَلْ حَدِيْثُهُ أبداً بخلاف شاهد الزُوْرِ اذا تَابَ.

المُرادُ بالمَوضُوعِ: فالمُرادُ بالحَديْثِ المَوضُوْعِ فِی اصطِلاحِ المُحدّثِيْنَ هٰذا لأ أنّهُ ثَبتَ كَذِبُهُ وَعُلِمَ ذلِكَ فِی هٰذا الحَدِيْثِ بخصُوصِه.

مَسْألَةُ الحكم بالوَضْعِ ظَنّيّةٌ: وَالمَسْئلَة ظَنّيّةٌ ، وَالحُكْمُ بالوَضْعِ وَالافْتِراء بحُكْمِ الظَّنِّ الغَالِبِ وَلَيْسَ إلى القَطْعِ وَاليَقِيْنِ بذلِكَ سَبِيْلٌ فَإنّ الكَذُوْبَ قَدْ يَصْدُقُ.

وبهذا يندفع ماقيل في معرفة الوضع باقرار الواضع أنه يجوز أن يكون كاذباً في هذا الإقرار، فإنه يعرف صدقه بغالب الظن ولو لا ذلك لما ساغ قتل المقر بالقتل ولا رجم المعترف بالزنا فافهم۔

(٢) **اتهام الراوى بالكذب:** وأما اتهام الراوى بالكذب ، فبأن يكون مشهوراً بالكذب ومعروفاً به في كلام الناس ولم يثبت كذبه في الحديث النبوى (صلى الله عليه وسلم) وفي حكمه رواية ما يخالف قواعد معلومة ضرورية في الشرع كذا قيل، ويسمى هذا القسم متروكاً" كما يقال حديثه متروك وفلان متروك الحديث.

حكم المتهم بالكذب: وهذا الرجل إن تاب وصحت توبته وظهرت امارات الصدق منه جاز سماع الحديث منه۔

حكم من يكذب نادرا: والذى يقع منه الكذب أحياناً نادراً في كلامه غير الحديث النبوى فذلك غير مؤثر في تسمية حديثه بالموضوع او المتروك وإن كانت معصية.

(٣) **الفسق:** واما الفسق، فالمراد به الفسق في العمل دون الاعتقاد فإن ذلك داخل في البدعة، واكثر ما يستعمل البدعة في الاعتقاد۔

والكذب وإن كان داخلاً في الفسق لكنهم عدوه اصلاً على حدة لكون الطعن به اشد واغلظ۔

(٤) **جهالة الراوى:** واما جهالة الراوى فإنه ايضاً سبب الطعن في الحديث لأنه لما لم يعرف اسمه وذاته لم يعرف حاله وأنه ثقة أو غير ثقة، كما يقول حدثنى رجل، واخبرنى شيخ، ويسمى هذا مبهماً۔

حكم المبهم: وحديث المبهم غير مقبول، إلا أن يكون صحابياً فإنهم عدول، وإن جاء المبهم بلفظ التعديل كما يقال: اخبرنى عدل

أوْ حَدثنى ثِقَةٌ، فَفِيه خِلاَفٌ وَالأصَحُّ أنَّهُ لاَ يُقْبَلُ، لأنه يَجُوْزُ أنْ يَكُونَ عَدْلاً فِى اعْتِقَادِه لاَ فِى نَفْسِ الأمْرِ وَإن قَالَ ذٰلكَ إمَامٌ حَاذِقٌ قُبِلَ.

(٥) **البدعة**: وَأمَّا البِدْعَةُ، فَالمُرَادُ اعْتِقَادُ أمْرٍ مُحْدَثٍ عَلىٰ خِلاَفِ مَا عُرِفَ فِى الدِّيْنِ، وَمَا جَاءَ عَنْ رَسُوْلِ الله صلى اللهُ عليه وسلم وَأصْحَابِه بِنَوْعِ شُبْهَةٍ لاَ بِطَرِيْقِ جُحودٍ وَإنْكَارٍ فَإنَّ ذٰلِكَ كُفْرٌ.

حكمُ حديثِ المبتدِع: (١) وَحَدِيْثُ المُبْتَدِعِ مَرْدُوْدٌ عِنْدَ الجُمْهُورِ. (٢) وَعِنْدَ البَعْضِ إنْ كَانَ مُتَّصِفاً بِصِدْقِ اللَّهْجَةِ وَصِيَانَةِ اللِّسَانِ قُبِلَ (٣) وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إنْ كَانَ مُنكِرًا لأمْرٍ مُتَوَاتِرٍ فِى الشَّرْعِ، وَقدعُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ كَوْنُهُ مِن الدِّيْنِ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ وَإنْ لَمْ يَكُنْ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ يُقْبَلُ — وَإنْ كَفَرَهُ المُخَالِفُوْنَ — مع وُجُودِ ضَبْطٍ وَوَرَعٍ وَتَقْوىٰ وَاحْتِيَاطٍ وَصِيَانَةٍ. (٤) وَالمُخْتَارُ: أنَّهُ إنْ كَانَ دَاعِياً إلىٰ بِدْعَتِه، مُرَوِّجاً لَهُ رُدَّ، وَإنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ قُبِلَ، إلاَّ أنْ يَرْوِىَ شَيْئاً يُقَوِّى بِه بِدعَتَهُ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ قَطْعاً.

وَبِا الجُمْلَةِ الأئِمَّةُ مُخْتَلِفُوْنَ فِى أخْذِ الحَدِيْثِ مِنْ أهْلِ البِدَعِ وَالأهْوَاءِ وَأرْبَابِ المَذَاهِبِ الزَّائِغَةِ وَقَالَ صَاحِبُ جَامِعِ الأصُوْلِ: أخَذَ جَمَاعَةٌ مِنْ أئِمَّةِ الحَدِيْثِ مِنْ فِرْقَةِ الخَوَارِجِ وَاالمُنْتَسِبِيْنَ إلىٰ القَدْرِ وَالتَّشَيُّعِ وَالرَّفْضِ وَسَائِرِ اصحابِ البِدَعِ وَالأهْوَاءِ.(١)

وَقَدْ احْتَاطَ جَمَاعَةٌ آخَرُوْنَ وَتَوَرَّعُوْا مِن اخذِ حديثٍ مِنْ هٰذِهِ الفِرَقِ وَلِكُلٍّ مِنْهُمْ نِيَاتٌ، انتهى، ولاَ شَكَّ أنَّ أخْذَ الحَدِيْثِ مِنْ هٰذِهِ الفِرَقِ يكونُ بعدَ التَّحَرِّى وَالإسْتِصْوَابِ وَمَعَ ذٰلِكَ الإحْتِيَاطُ فِى عَدَمِ الأخْذِ، لأنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أنَّ هٰؤُلاَءِ الفِرَقَ كَانُوْا يَضَعُوْنَ الأحَادِيْثَ لِتَرْوِيْجِ مَذَاهِبِهِم، وَكَانُوا يُقِرُّوْنَ بِه بَعدَ التَّوْبَةِ وَالرُّجُوْعِ والله اعلم.

---

١. العبارة فى جامع الاصول هٰكذا، " وقد اخذ جماعة من ائمة الحديث عن جماعة من الخوارج و جماعة ممن ينسب الى القدرية والشيعة و اصحاب البدع والأهواء. و تحرّج عن الاخذ عنهم آخرون والكل مجتهدون." ج:١، ص:٧٥-٧٦ مطبوعہ دار الفكر بيروت ١٤٠٣

چوتھی فصل

عدالت سے متعلق طعن کی اقسام میں

عدالت سے متعلق اقسام طعن پانچ ہیں (یعنی جن وجوہ سے راوی کی عدالت مجروح ہو جاتی ہے وہ پانچ ہیں)

(۱) کذب (۲) اتہام کذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت۔

(۱) **کذب:** کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ اس کا کذب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ہو چکا ہو۔ خود واضع کے اقرار سے یا دیگر قرائن سے کذب سے۔ مجروح و مطعون راوی کی حدیث کا نام "موضوع" ہے

بالقصد حدیث میں کذب بیانی کرنے والے کا حکم: جس شخص کے متعلق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی کا ثبوت ہو جائے، اگرچہ یہ کذب بیانی زندگی میں ایک بار ہی ہو تو، توبہ کے باوجود اس کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی، برخلاف جھوٹے گواہ کے کیونکہ اس کی گواہی توبہ کے بعد قابل قبول ہو جاتی ہے۔

ضروری وضاحت: مقدمہ امام مسلم کی شرح میں شیخ نووی لکھتے ہیں۔

ثم انه من كذب عليه صلى الله عليه وسلم عمداً في حديث واحد فسق وردت رواياته كلها وبطل الاحتجاج بجميعها، فلو تاب وحسنت توبته فقد قال جماعة من العلماء منهم احمد بن حنبل، وابوبكر الحميدى شيخ البخارى وصاحب الشافعى، وابوبكر الصير

فی من فقهاء اصحابنا ـــــ لا تؤثرتوبته فی ذلك ولا تقبل روايته ابدا ـــــ قلت وهذا الذی ذکره هؤلاءِ الائمة ضعيف مخالف للقواعدالشرعية والمختارالقطع بصحة توبته فی هذا وقبول رواياته بعد ها اذا صحّتْ توبته بشروطها المعروفة الخ۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حدیث میں بھی عمداً کذب بیانی کرے وہ فاسق قرار پائے گا اور اس کی ساری مرویات رد کر دی جائیں گی، اور ان سب سے احتجاج واستدلال باطل ہو جائے گا، پھر اگر خلوصِ دل سے توبہ کر لے تو علماء کی ایک جماعت ـــــ جس میں امام احمد بن حنبل، شیخ ابو بکر حمیدی استاذ امام بخاری وتلمیذ امام شافعی اور ابو بکر صیرفی جیسے از فقہائے شوافع شامل ہیں ـــــ کہتی ہے کہ قبول روایت کے سلسلہ میں اس کی توبہ کا کچھ اثر نہیں ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی روایت لائق قبول نہیں ہوگی، میں کہتا ہوں (یعنی امام نووی) کہ ان حضرات ائمہ کا یہ مذکورہ قول ضعیف اور قواعد شرعیہ کے مخالف ہے اور مختار قول یہ ہے کہ وضع حدیث سے بھی توبہ یقینی طور پر صحیح ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی بشر طیکہ اس کی توبہ صحتِ توبہ کی معروف شرطوں کے مطابق صحیح ہو جائے۔

اور الشیخ ابو الفیض الفارسی لکھتے ہیں

"اختلفوا فی قبول رواية التائب من الكذب عليه (عليه الصلوٰة والسلام) بعد ما اتفقوا علی ردها قبل التوبة ، فقيل لوتاب وحَسُنَتْ توبتُه قُبلتْ روايتُه بعدها وقيل لاتُقبل ابداً، والاوّلُ هو المختارُ عند المتأخِّرين وَالآخرُ عند المتقدمين"(١)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی سے تائب کی روایت کے قبول کر دینے میں علماء کا اختلاف ہے (جب کہ ایسے شخص کی قبل از توبہ روایت کے رد کرنے میں سب متفق ہیں) پس کہا گیا ہے کہ ایسا شخص اگر خلوص دل سے توبہ کر لے تو اس توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی اور کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کی

١۔ جولفر الاصول ص: ٤٥ مطبوعہ المكتبة العلمية بالمدينة المنورة۔

روایت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ قول اول علماء متاخرین کے نزدیک مختار ہے اور قول ثانی متقدمین کے نزدیک مختار ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ واضع حدیث کی روایت بعد از توبہ کے قبول و عدم قبول میں علماء متاخرین و متقدمین کا اختلاف ہے محدث دہلوی نے اس سلسلے میں علماء متقدمین کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حدیث موضوع کی اصطلاحی مراد: محدثین کی اصطلاح میں "حدیث موضوع" سے مراد یہ ہے (کہ جس راوی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب کا ثبوت ہو جائے اس کی ساری مرویات موضوع قرار پائیں گی) حدیث موضوع کا یہ معنی نہیں ہے کہ بطور خاص کسی حدیث کے بارے میں راوی کا کذب معلوم و ثابت ہو گیا ہے۔

وضع حدیث کا فیصلہ ظنی ہے: حکم بالوضع کا مسئلہ ظنی ہے یعنی وضع حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کرنے کا فیصلہ ظن غالب پر کیا جاتا ہے اس بارے میں قطعی اور یقینی علم سے فیصلہ کی کوئی راہ نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے۔ لہٰذا اب اس اشکال کی گنجائش نہیں رہی کہ ہو سکتا ہے کہ راوی اعتراف وضع میں جھوٹا ہو کیونکہ وضع کا فیصلہ ظن غالب پر ہوتا ہے۔ شرعی مسائل میں اگر ظن غالب کا اعتبار نہ ہوتا تو قتل و زنا کے معترف کو ان کے اعتراف پر قتل کرنا جائز نہ ہوتا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے غلط حدیثیں بیان کرتا ہے اس کی روایت کردہ ہر ایک حدیث کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ موضوع ہے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے کسی خاص حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب صحیح نسبت سے بیان کیا ہو کیونکہ جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کسی حدیث کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا ہو کہ اس نے یہ حدیث وضع کر کے بیان کی ہے جب بھی اس حدیث کے متعلق یقین کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس اعتراف میں اس نے غلط بیانی کی ہو۔ ان احتمالات کے باوجود جب وثوق سے ثابت

ہو چکا ہے کہ یہ وضع حدیث کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی مرویات کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ موضوع ہوں گی اس لئے ایک ماہر محدث اسی ظن غالب پر ان کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ ہوتا تو قتل کے معترف اور زنا کے مقر پر قصاص اور حد کی سزا جاری نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اعتراف اور اقرار میں بھی اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ ان جرائم کا اعتراف غلط طور پر کر رہے ہوں لیکن خود اپنے خلاف ان کے اقرار سے ان کے اعتراف کی صداقت پر ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے اور اسی ظن غالب پر شریعت ان کے قتل کا فیصلہ کرتی ہے۔

حدیث موضوع کی بہت سی علامتیں ہیں جنہیں دیکھ کر علوم حدیث میں ماہر محدث پہچان لیتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے چند علامتیں یہ ہیں۔

(۱) رکاکت الفاظ (۲) فساد معنی (۳) نص قرآن یا سنت متواترہ یا اجماع کے خلاف ہونا وغیرہ تفصیل مطولات میں دیکھی جائے۔

(۲) راوی پر کذب کا اتہام: راوی پر حدیث نبوی میں کذب بیانی کی تہمت کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ باہمی گفتگو میں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں مشہور و معروف ہو اور حدیث نبوی میں اس کا کذب ثابت نہ ہوا ہو (تو ایسا راوی محدثین کی اصطلاح میں متہم بالکذب ہے) اور اسی کے حکم میں وہ راوی ہے جو ایسی حدیث روایت کرے جو قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع کے مخالف ہو "کما قیل" متہم بالکذب (اور اس کی مرویات کو) متروک کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے

حديثه متروك، وفلان متروك الحديث.

تشریح: "قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع" ایک اصطلاحی عبارت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دین اسلام کے وہ بنیادی مسائل جو اپنی شہرت و عمومیت کے لحاظ سے دائرۂ عوام میں داخل ہو گئے ہیں اور کافۃ الناس کو معلوم ہے کہ یہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و مسائل ہیں جیسے وحدانیت، رسالت، ختم نبوت، بعث و جزاء، نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت، شراب کی حرمت وغیرہ (۱)

۱۔ اكفار الملحدين از محدث عصر علامه انور شاه كشميری ص: ۲ مطبوعه المجلس العلمی ڈابھیل ۱۴۰۸ھ

متہم بالکذب کا حکم: متہم بالکذب اگر صحیح طور پر سچے دل سے توبہ کرے اور سچائی کی علامتوں کا اس سے ظہور ہو جائے تو اس سے حدیث کی سماعت جائز ہو جائے گی۔

کبھی کبھار جھوٹ بولنے والے کا حکم: جس شخص سے کلام نبوی کی بجائے اپنی باہمی بات چیت میں کبھی کبھار جھوٹ کا صدور ہو جاتا ہو تو اس طرح کا قلیل جھوٹ اس کی حدیث کے موضوع یا متروک کہے جانے میں مؤثر نہیں ہوگا۔ اگرچہ یہ جھوٹ بھی گناہ ہے (اور آدمی کو اس سے بچنا چاہئے)

(۳) راوی پر فسق کا طعن: فسق سے مراد فسق فی العمل یعنی عملی فسق ہے جیسے قتل ناحق، زنا، چوری، شراب نوشی، چغل خوری، جھوٹی شہادت وغیرہ فسق اعتقادی مراد نہیں ہے کیونکہ فسق اعتقادی (جیسے اعتزال، رفض، خروج وغیرہ) بدعت میں داخل ہیں اور عام طور پر بدعت کا لفظ فسق اعتقادی ہی پر بولا جاتا ہے (فسق عملی کی مثال سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد کبائر کا ارتکاب ہے بلا اصرار ارتکاب صغائر سے عدالت مجروح نہیں ہوگی)

تنبیہ: حدیث نبوی میں دروغ گوئی بھی اگرچہ فسق عملی میں داخل ہے لیکن محدثین نے کذب کو علیحدہ ایک مستقل وجہ طعن شمار کیا ہے اس لئے کہ فن حدیث میں کذب کی جرح نہایت شدید اور بہت سخت ہے۔

(۴) جہالت راوی: راوی کی جہالت (یعنی غیر معلوم الاسم ہونا) بھی حدیث میں طعن کا سبب ہے (اس کی بناء پر حدیث غیر مقبول ہو جاتی ہے) کیونکہ جب راوی کا نام اور اس کی شخصیت معلوم نہیں تو اس کی حالت، وصفت (بدرجہ اولیٰ) معلوم نہ ہوگی کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ مثلاً راوی یوں کہے حدثنی رجل واخبرنی شیخ۔ اس نوع کے مجہول راوی کو مبہم کہتے ہیں۔

مبہم کا حکم: مبہم کی حدیث غیر مقبول ہے مگر یہ کہ مبہم صحابی ہوں (تو اس سے حدیث مؤثر نہیں ہوگی) کیونکہ صحابی تو سب عادل ہیں اور اگر سند میں مبہم راوی لفظ تعدیل کے ساتھ آجائے مثلاً یوں کہا جائے اخبرنی عدل، یا حدثنی ثقة تو اس کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے اور اصح قول یہی ہے کہ مبہم کی

تعدیل قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ قائل کے خیال میں عادل ہو مگر فی الواقع عادل نہ ہو اور اگر اخبرنی ثقة کوئی امام ماہر کہے تو یہ مبہم کی تعدیل قبول کی جائے گی۔

مبہم کی تعدیل کے بارے میں محدثین و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں تین اقوال نقل کئے ہیں (۱) مبہم کی تعدیل مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اسی کو حافظ نے اصح قرار دیا ہے (۲) مطلقاً قبول ہو گی (۳) مبہم کی تعدیل کرنے والا عالم (یعنی مجتہد) ہے تو اس کی تقلید کرنے والوں کے حق میں یہ تعدیل کافی ہو گی (۱)

حافظ ابن حجر کے ان نقل کردہ اقوال کے علاوہ اس مسئلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ اخبرنی ثقة کہنے والا راوی اگر صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے تو اس کی یہ تعدیل قبول ہو گی فقہائے اصولیین میں سے آمدی، ابن حاجب اور محدثین میں امام بخاری، امام مسلم، ابن خزیمہ، حاکم وغیرہ کا مختار قول یہی ہے (۲)

اور مولانا ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں۔

"اذا كان الراوی القائلُ حدثنی الثقة ثقةً فالذی ینبغی ان یکون مذهبنا قبولَ مثل هذا التعدیل فی حق مَن هو مِن القرونِ الثلاثةِ لان المجهول منها حجةٌ عندنا فالمجهول بصیغة التعدیلِ اولیٰ بالقبول واما فی غیرها فلا"(۳)

جب حدثنی الثقة کہنے والا راوی خود ثقہ ہو تو ہمارے مذہب (احناف) کے مناسب یہی ہے کہ یہ تعدیل قبول ہو ان مبہم راویوں کے حق میں جو قرون ثلاثہ (مشهود لها بالخير) سے تعلق رکھتے ہوں اس لئے کہ قرون ثلاثہ کا مجہول ہمارے نزدیک حجت ہے تو جس کا ذکر لفظ تعدیل کے ساتھ ہو وہ بدرجہ اولیٰ حجت ہو گا اور قرون ثلاثہ کے علاوہ کی یہ تعدیل لائق قبول نہیں ہے۔

۱۔ شرح نخبة مع حاشية بهجة النظر ص: ۸۴

۲۔ تصحیح النظر فی توضیح نخبة الفکر فارسی از مولانا محمد حسین ہزاروی ص: ۲۲۴ (۳) قواعد فی علوم الحدیث ص: ۱۲۱

"وان قال ذلك امام حاذق قبل" اور اگر یہ بات کوئی امام ماہر کہے تو قبول کی جائے گی، یہ چوتھے قول کی ترجمانی ہے۔

(۵) بدعت: رہی بدعت تو اس سے مراد دین میں معروف اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول عقائد کے خلاف کسی امر نو پید کو عقیدہ بنالینا (دلیل میں) کسی طرح کے شبہ یا غیر مناسب تاویل سے نہ کہ عناد وانکار کی راہ سے کیونکہ (شریعت کا) انکار کفر ہے"

تشریح: بدعت اعتقادی کے دو درجے ہیں:

(۱) بدعت مکفرہ یعنی ایسی بدعت جس کی بناء پر مبتدع پوری امت کے قواعد کے لحاظ سے کافر ٹھہرے جیسے غالی روافض جو حضرت علیؓ کے بارے میں حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں، یا قیامت سے پہلے حضرت علیؓ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، یا قرآن میں تحریف کے قائل ہیں، ~~یا حضرت عائشہ پر تہمت کی نسبت~~ کرتے ہیں، یا جیسے قادیانی جو ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اس نوع کی بدعت کو بدعتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔

(۲) بدعت مفسقہ، یعنی ایسی بدعت جس کی وجہ سے بدعتی فاسق قرار پائے، جیسے خوارج، معتزلی، غیر غالی روافض وغیرہ اس نوع کی بدعت کو بدعتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ محدث دہلویؒ نے اس موقع پر اسی بدعتِ صغریٰ کی تعریف کی ہے اسی لئے "بنوع شبهة لا بطريق جحود وانكار" کی قید زیادہ کی ہے اور ذیل میں اسی نوع کے مبتدع کی حدیث کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

مبتدع کی حدیث کا حکم: (۱) مبتدع کی حدیث جمہور کے نزدیک مردود (غیر مقبول) ہے۔

(۲) اور بعض محدثین وفقہاء کے نزدیک اگر مبتدع صادق القول (کذب وافتراء) سے زبان کو محفوظ رکھنے والا ہو تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔

(۳) اور بعض محدثین وفقہاء کہتے ہیں کہ اگر مبتدع ایسے امر شرعی کا منکر ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور اس کا دین میں ہونا اس درجہ عام اور شائع ہے کہ اس کا علم عوام تک پہنچ گیا ہے تو اس کی روایت مردود ہے (کیونکہ ایسا مبتدع تمام اہل

اسلام کے نزدیک کافر ہے اور کافر کی روایت مقبول نہیں) اور اگر وہ اس طرح کے امور کا منکر نہیں اور اسی کے ساتھ حفظ وضبط، ورع وتقویٰ اور (کذب وافتراء سے) احتراز واحتیاط سے متصف ہے تو (علی الاطلاق) اس کی روایت قبول کی جائے گی اگرچہ اس کے مخالفین نے اس کی تکفیر کی ہو (کیونکہ ایسے مبتدع کی تکفیر جمہور امت کے قاعدہ کے لحاظ سے درست نہیں لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا)۔

(۴) اور مختار (قول یہ ہے کہ) اگر مبتدع (بہ بدعت مفسقہ) اپنی بدعت کی جانب دعوت دیتا ہو اور اسکی ترویج واشاعت کرنے والا ہو تو اس کی روایت رد کردی جائے گی اور اگر وہ اپنی بدعت کا داعی ومروج نہیں ہے تو (اس کی روایت) قبول کی جائے گی البتہ اگر اس کی روایت سے بظاہر اس کی بدعت کی تائید وتقویت ہورہی ہے (تو اس صورت میں اس غیر داعیہ کی) روایت بھی قطعی طور پر مردود ہوگی۔

وبالجملة الائمة مختلفون الخ الحاصل اہل بدعت وہوا یعنی گم کردہ راہ فرقوں کی روایت کے قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کی آراء مختلف ہیں جامع الاصول کے مولف امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

"ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے فرقہ خوارج، قدر، تشیع اور رفض کی جانب منسوب اور اسی طرح بقیہ دیگر گمراہ اہل مذاہب کی حدیثوں کو قبول کیا ہے۔ اور ائمہ کی دوسری جماعت نے ان فرقوں کی روایت قبول کرنے سے احتیاط و پرہیز کیا ہے۔ اور ہر ایک کی اس میں (الگ الگ) نیتیں اور ارادے ہیں" (یعنی بعض حضرات نے حدیث رسول کی تحصیل واشاعت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا اور ان سے بھی احادیث لے لیں اور بعض حضرات نے بدعتی کی توقیر اور عزت افزائی سے بچنے کے پیش نظر ان سے روایت کی سماع کو مناسب نہیں سمجھا)

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان مبتدع فرقوں کی روایتیں خوب چھان پھٹک کر صحت ودرستگی معلوم کرکے ہی قبول کی جائیں گی پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ ان کی روایات قبول نہ کی جائیں کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ گم کردہ راہ فرقے اپنے مذاہب کی ترویج واشاعت کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ جس کا اقرار وہ خود توبہ کے بعد کرتے تھے۔

تشریح: محدث دہلوی نے اس موقع پر بدعت صغریٰ کے حامل مبتدع کی روایت کے مردود و مقبول ہونے کے بارے میں علی الترتیب چار اقوال ذکر کیے ہیں۔

(۱) جمہور کے نزدیک (علی الاطلاق) مبتدع کی روایت غیر مقبول ہے چنانچہ امام محمد بن سیرین (مشہور تابعی) فرماتے ہیں۔

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سمّوا لنا رجالکم فَیُنظَر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم ویُنظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم (۱)

یعنی حضرات صحابہ و تابعین رجال سند کی تحقیق نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ برپا ہو گیا (اور اہل بدع روافض، خوارج وغیرہ کے فرقے پیدا ہو گئے) تو یہ حضرات حدیث کے راوی سے اس کی سند معلوم کرتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہل سنت ہیں کہ ان کی روایت لی جائے اور معلوم کر لیا جائے کہ اہل بدعت ہیں کہ ان کی حدیث رد کر دی جائے۔

حضرت ابن سیرین اپنے زمانہ کا معمول بیان کر رہے ہیں جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں عام طور پر مبتدعین کی روایتوں سے احتراز کیا جاتا تھا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

"وان کانت غیر مکفرة فقیل: ترد روایته مطلقا، روی ذلك عن جمع من السلف کما لك وعامّة اصحابه والقاضی ابی بکرالباقلانی واتباعه حکاه الخطیب فی الکفایة ونقله الآمدی عن الاکثرین وبه جزم ابن الحاجب" (۲)

اور اگر بدعت (اعتقادی) غیر مکفرہ یعنی بدعت صغریٰ ہو تو کہا گیا ہے کہ علی الاطلاق اس کی روایت رد کر دی جائے گی سلف کی ایک جماعت کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے جیسے امام مالک اور ان کے عام اصحاب، اور قاضی ابو بکر باقلانی اور ان

---

۱. مقدمه صحیح مسلم ص: ۱۱

۱. ظفر الامانی ص: ۲۷٦

کے متبعین امام خطیب نے کفایہ میں قاضی باقلانی کے اس مسلک کو بیان کیا ہے اور امام آمدی نے اکثر علماء کا یہی مسلک بتایا ہے اور شیخ ابن الحاجب نے اسی مسلک (کی صحت) کا فیصلہ کیا ہے۔

محدث دہلوی نے متقدمین کی ایک جماعت کے اسی مسلک کو حدیث المبتدع مردود عند الجمهور سے بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس قول کی حافظ ابن صلاح، امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہ نے پرزور تردید کی ہے۔

۲-۳- محدث دہلوی نے وعند البعض ان كان الخ وقال بعضهم ان كان الخ سے جو دوسرا و تیسرا قول نقل کیا ہے یہ دونوں در حقیقت ایک ہی قول ہیں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ عبارت پڑھ کر غور کر لیا جائے۔

امام نوویؒ نے اس دوسرے قول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "بعض ائمہ حدیث و فقہ علی الاطلاق (یعنی داعیہ و غیر داعیہ میں تفریق کئے بغیر) مبتدع کی روایت قبول کرتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے مذہب کی مدد و نصرت کے لئے کذب کو جائز و حلال نہ سمجھتا ہو (یعنی ایسا عقیدہ نہ رکھتا ہو جو جوازِ کذب کو مستلزم ہو کیونکہ بصراحت و بالتزام کذب کو جائز و حلال سمجھنا کفر ہے (حسب تصریح امام نوویؒ یہی امام شافعی اور جمہور شوافع کا مسلک ہے(۱)

اور امام سیوطی نے تدریب الراوی میں اور علامہ احمد شاکر نے اختصار "علوم الحدیث" کی تعلیق میں حافظ ابن حجر کی جانب بھی اس قول کو منسوب کیا ہے(۲)

(۴) چوتھا اور آخری قول جسے محدث دہلویؒ نے مختار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مبتدع اپنی بدعت کا مروج اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر وہ داعیہ نہیں ہے اور نہ اس کی روایت سے بظاہر اس کے مذہب کی تائید ہو رہی ہے تو صدق و عدالت سے متصف ہونے کی صورت میں اس کی روایت مقبول ہوگی۔

---

۱. بشرح النووی علی الصحیح مسلم ج:۱ ص:٦ وهدی الساری مقدمة فتح الباری ص:٤٤١ طبعة جديدة.

۲. تعليق محقق عبد الفتاح ابو غدة على قواعد التحديث ص: ۱۳۹.

امام نووی اس قول کے بارے میں لکھتے ہیں "وهذا مذهب كثير من او الأكثرين من العلماء وهو الاعدل الصحيح" (۱) یہی کثیر بلکہ اکثر علماء کا مذہب ہے اور یہی سب سے معتدل اور صحیح ہے حافظ ابن حجر نے بھی اسی قول کو ہدی الساری اور شرح نخبۃ الفکر میں راجح قرار دیا ہے (۲) گویا اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر کے دو قول ہیں اور امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی نے اسی کو احناف کا مذہب مختار کہا ہے۔ اور حافظ ابن صلاح نے بھی اسی کو اعدل المذاهب واولاها بتلایا ہے (۳)

آخر میں محدث دہلوی نے ولا شك ان اخذ الحديث من هذه الفرق الخ سے اس بات کی جانب توجہ دلائی ہے کہ ان گمراہ فرقوں سے اخذ حدیث میں انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے اور ہر طرح سے تحقیق واطمینان کے بعد ہی ان سے روایات لی جائیں بلکہ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان فرقوں سے حدیث لی ہی نہ جائے کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ انہوں نے اپنے نوپید مذاہب کی تقویت وترویج کے لئے وضع حدیث جیسے شدید جرم سے بھی احتراز نہیں کیا ہے خاص طور پر روافض کا کردار اس معاملہ میں انتہائی افسوسناک ہے اور ان کے برعکس خوارج بالعموم اس جرم کے ارتکاب سے بری ہیں۔

اس موقع پر محدث دہلوی نے ان کی روایات سے احتیاط واحتراز کی جو بات کہی ہے الامام المحقق الشيخ ابوالفتح تقي الدين محمد بن علي المعروف بابن دقيق العيد نے بھی قریب قریب یہی بات کہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر ان کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مال ابوا لفتح القشيري الى تفصيل آخر فيه قال: ان ولفقه غيره فلا نلتفت اليه هو اخماد لبدعته واطفاء لناره وان لم يوافقه احد ولم يوجد ذلك الحديث الا عنده مع وصفنا من صدقه وتحرزه عن الكذب واشتهاره بالدين وعدم تعلق ذلك الحديث

۱۔ شرح النووی علی صحیح مسلم ص:٦

۲۔ ھدی الساری ص: ٥٤٤ ، وشرح نخبة الفكر مع بهجة النظر ص[illegible]

۳۔ امعان النظر قلمی ص: ۲۲٤

بيدعته فينبغى ان تقدم مصلحة تحصيل ذلك الحديث ونشر تلك السنة على مصلحة اهانته واطفاء بدعته (۱)

شیخ ابن دقیق العید کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بدعتی جس حدیث کی روایت کر رہا ہے اگر اس کے راوی دوسرے لوگ بھی ہوں تو قطعی طور پر اس بدعتی سے روایت نہیں لی جائے گی اور اگر وہ حدیث صرف اسی بدعتی کے پاس ہے تو اس حدیث کی تحصیل واشاعت کی مصلحت کے پیش نظر قبول کر لی جائیگی کیونکہ تحصیل حدیث کی مصلحت بدعتی کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دینے کی مصلحت سے راجح وقوی ہے۔

۱۔ ھدی الساری ص: ٥٤٤

الفصل الخامس
فى
وجوه الطعن المتعلقة بالضبط

وَأَمّا وجُوهُ الطَّعْنِ المُتَعَلِّقَةِ بِالضَّبْطِ ايضًا خَمْسة.

(١) أحدُهَا: فَرطُ الغفلةِ (٢) وثانِيهَا: كَثرَةُ الغلَطِ (٣)ثالثُها : مخالفة الثِّقَاتِ (٤) رَابعُها: الوَهمُ (٥) خامسها: سُوءُ الحِفظِ.

١-٢- فرط الغفلة وكثرة الغلط: اما فرطُ الغَفلةِ وكثرةُ الغلط فمُتَقارِبَانِ. فَالغفلة فى السمَاعِ وَتَحمُّلِ الحَديثِ، وَالغلطُ فِى الإسمَاعِ وَالأدَاءِ.

٣- مخالفة الثقات: ومخَالَفةُ الثِّقَاتِ فى الإسْنَادِ وَالمَتنِ يكونُ علىٰ أنحَاءٍ مُتَعَدِّدَةٍ تكونُ مُوجِبَةً لِلشُّذُوذِ. وَجَعْلُه مِن وُجُوهِ الطَّعنِ المُتَعلِّقَةِ بِالضَبطِ مِنْ جِهَةِ أنَّ البَاعِثَ علىٰ مُخَالَفةِ الثِّقَاتِ إنَّمَا هُوَ عَدمُ الضَّبطِ وَالحِفظِ وعدمُ الصِيَانَةِ عَنِ التَّغييرِ وَالتَّبدِيلِ

٤- الوَهمُ: والطعنُ من جهة الوَهمِ والنسيانِ الّذَيْنِ أخْطَاء بِهِمَا ورَوَىٰ على سبيلِ التَّوَهُّمِ. إنْ حَصَلَ الإطّلاَعُ علىٰ ذلكَ بقرائِنَ دَالَّةٍ علىٰ وُجُوهِ عِلَلٍ وَأسبَابٍ قَادِحَةٍ. كَانَ الحَدِيثُ مُعَلَّلاً.

وَهٰذا أغمَضُ عُلومِ الحَدِيثِ وَأدَقُّها، وَلاَ يَقُومُ بِهِ إلاَّ مَن رُزِقَ

فهماً وحفظاً واسعاً ومعرفة تامة بمراتب الرواة واحوال الأسانيد والمتون كالمتقدمين من ارباب هذا الفن إلى أن انتهى إلى الدار قطنى ويقال لم يأت بعده محدث في هذا الأمر، والله اعلم.

٥- **سوء الحفظ:** وأما سوء الحفظ، فقالوا إن المراد به أن لا يكون إصابته أغلب على خطئه، وحفظه وإتقانه أكثر من سهوه ونسيانه يعنى وان كان خطائه ونسيانه أغلب او مساوياً لصوابه وإتقانه كان داخلاً في سوء الحفظ فالمعتبر غلبة (١) صوابه وإتقانه وكثرتهما.

حكم سئ الحفظ: وسئ الحفظ إن كان لازماً حاله في جميع الأوقات ومدة عمره لا يعتبر بحديثه، وعند بعض المحدثين، هذا ايضاً داخل في الشاذ.

المختلط: وإن طرأ سوء الحفظ لعارض مثل إختلال في الحافظة بسبب كبر سنه أو ذهاب بصره أو فوات كتبه فهذا يسمى مختلطاً.

حكم المختلط: فما روى قبل الاختلاط والإختلال متميزاً عما رواه بعد هذه الحال قبل، وإن لم يتميز توقف وإن اشتبه فكذلك. وإن وجد لهذا القسم متابعات وشواهد ترقى من رتبة الرد إلى القبول والرجحان وهذا حكم احاديث المستور والمدلس والمرسل

---

١. وفي النسخة المطبوعة مع لمعات التنقيح المعتبر عليه وفي النسخة المطبوعة مع المشكوة فالمعتمد عليه والصحيح كما اثبتنا.

پانچویں فصل

ضبط سے متعلق اسباب طعن میں

ضبط سے متعلق بھی اسباب طعن پانچ ہیں (۱) فرط غفلت (۲) کثرت غلط (۳) مخالفت ثقات (۴) وہم (۵) سوء حفظ۔

۱-۲- **فرط غفلت، و کثرت غلط**: فرط غفلت، اور کثرت غلط دونوں کے معنی قریب قریب ہیں۔ غفلت کا وقوع حدیث کی سماع و تحمل میں ہوتا ہے اور غلط کا صدور حدیث کی نقل و روایت میں ہوتا ہے۔

تشریح: فرط غفلت یعنی لاپرواہی اور بے خبری کی کثرت، کثرتِ غلط، یعنی غلطیوں کی کثرت، جس راوی میں یہ عیب ہوتے ہیں اسے کثیر الغفلت اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ کثیر الغفلت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

"مَن كان صوابه اقل من خطأه" یعنی جس کی صحت بیانی غلط بیانی سے کم ہو اور کثیر الغلط کی بھی بعینہٖ یہی تعریف ہے۔ اس لئے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں مترادف یعنی ایک ہی حقیقت و معنی کی دو تعبیریں ہیں مگر اس صورت میں وجوہ طعن پانچ کی بجائے چار ہی رہ جائیں گے جب کہ یہ فی الواقع پانچ ہیں اسی اشکال سے بچانے کے لئے محدث دہلویؒ نے دونوں کے فرق اعتباری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "فَالغفلة فى السماع وتحمل الحديث والغلط فى الاسماع والاداء" یعنی جس راوی نے حدیث کو شیخ سے اچھی طرح محفوظ

کرنے میں کثرت سے غفلت اور لاپرواہی برتی ہے اسے کثیر الغفلت سے مطعون کیا جاتا ہے اور جس سے حدیث کے نقل و بیان میں کثرت سے غلطی کا صدور ہوتا ہے اس پر کثیر الغلط کا عیب چسپاں ہوتا ہے۔

کثیر الغفلت اور کثیر الغلط دونوں کی روایتیں اصطلاح محدثین میں "منکر" کہی جاتی ہیں۔

۳۔ مخالفت ثقات: ثقہ راویوں کی مخالفت سند و متن دونوں میں متعدد طور پر واقع ہوتی اور شذوذ کا سبب بنتی ہے۔

مخالفت ثقات کا ضبط و حفظ سے متعلق اسباب طعن میں شمار بایں وجہ ہے کہ اس مخالفت کا باعث دراصل ضبط و حفظ کا نہ ہونا اور تغیر و تبدیلی سے محفوظ نہ رکھ سکنا ہے۔

تشریح: مخالفت ثقات سے مراد کسی راوی کی روایت کا اپنے سے اولی وارجح کی روایت کے خلاف ہونا۔ یہ اختلاف بالعموم سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں بھی واقع ہو جاتا ہے سند کا یہ اختلاف کبھی تو سند و متن دونوں میں قدح و عیب پیدا کر دیتا ہے اور کبھی صرف سند کو عیب دار یعنی معلول بنا دیتا ہے متن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا (۱)

چونکہ اس اختلاف کی متعدد قسمیں ہیں اس لئے ثقات کی مخالفت کرنے والے راوی کی حدیث کی بھی اس اختلاف کے اعتبار سے مختلف قسمیں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب، مصحف، مدرج۔ تفصیل کیلئے شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کی مراجعت کی جائے۔

۴۔ وہم: وہم و نسیان کی جہت سے طعن کہ جن دونوں کی وجہ سے راوی نے غلطی کی اور حدیث وہم و نسیان کے ساتھ بیان کر دی اگر راوی کی اس غلطی پر ایسے قرائن سے جو وجوہ علل اور اسباب قادحہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اطلاع ہو جائے، تو اس راوی کی حدیث "معلل" ہو جائے گی۔

راوی کے توہم کی معرفت علوم حدیث کا نہایت دقیق و غامض فن ہے اس میدان میں وہی قدم رکھ سکتا ہے جسے وسیع علم و فہم اور رواۃ حدیث نیز اسناد و متون کی وسیع معرفت عطا کی گئی ہو جیسے متقدمین علماء حدیث میں اس فن کے ماہرین تھے

۱۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۳۶ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۹۶ھ۔

حتی کہ یہ سلسلہ امام دار قطنی تک پہونچا، اور کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد، علل الحدیث میں ان کے جیسا ماہر پیدا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

اس موضوع سے متعلق مزید معلومات "حدیث معلل" کے ذیل میں گزر چکی ہیں انھیں دیکھ لیا جائے۔

۵۔ سوء حفظ: سوء حفظ کی مراد علمائے حدیث نے یوں بیان کی ہے کہ جس راوی کی اصابت اور درست بیانی اس کی غلطیوں پر غالب نہ ہو اور اس کی یادداشت اور حفظ کی قوت سہو و نسیان سے زائد نہ ہو یعنی جس راوی کی خطا و نسیان اس کی اصابت و اتقان سے زائد یا مساوی ہو تو وہ سوء حفظ میں داخل ہو گا۔

تشریح: سوء حفظ کی اس مذکورہ تعریف سے سئی الحفظ راوی، کثیر الغفلت کے بظاہر مساوی ہو جاتا ہے کیونکہ بعینہ یہی تعریف فرط غفلت اور کثرت غلط کی بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ اسباب طعن ۱۔۲ کی تشریح سے واضح ہے جبکہ کثیر الغفلت اور کثیر الغلط کا طعن سئی الحفظ کے طعن سے انتہائی شدید اور سخت ہے۔

لیکن ان تینوں اصطلاحات کی تعریف میں اس یکسانیت کے باوجود ان میں باہم فرق اعتباری موجود ہے وہ اس طرح سے کہ فرط غفلت کا تعلق شیخ سے حدیث کے اخذ و سماع سے ہے یعنی سماع میں تساہل و سستی کی وجہ سے اغلاط کی کثرت ہو گئی ورنہ اس کا حافظہ قوی تھا۔ اور کثرتِ غلط حدیث کے بیان و نقل سے متعلق ہے یعنی تساہل یا ضعف حافظہ کی وجہ سے نقل و بیان میں کثرت سے غلطیاں کرتا ہے جیسا کہ خود محدث دہلویؒ کی تصریح سے معلوم ہو چکا ہے، اور سوء حفظ میں عموم ہے۔ یعنی غفلت یا قصور ضبط کی بناء پر سئی الحفظ راوی سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ الگ الگ تو اس کی اصابت اور صحت بیانی سے کم ہیں مگر ان دونوں قسموں کی مجموعی غلطیاں اس کی اصابت سے زائد یا مساوی ہوتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سئی الحفظ کا حکم: سوء حفظ اگر کسی کی پوری عمر کے جمیع اوقات کے ساتھ لازم ہو تو ایسے شخص کی حدیث معتبر نہ ہو گی اور بعض محدثین کی اصطلاح میں ایسی بھی حدیث شاذ میں داخل ہے۔ (تو شاذ سئی الحفظ کی روایت ہوئی اور منکر کثیر الغفلت، کثیر الغلط اور فاسق کی)

مختلط: اور اگر سوء حفظ کسی عارض کی بناء پر پیش آجائے مثلاً کبر سنی یا بینائی کے ختم ہو جانے یا کتابوں کے فوت وتلف ہو جانے کی وجہ سے یادداشت میں خلل پیدا ہو گیا (یعنی راوی کتابوں کی مراجعت سے حدیث روایت کرتا تھا نابینا ہو جانے یا کتابوں کے موجود نہ رہنے کی وجہ سے نقل روایت میں یادداشت پر اعتماد کیا اور اس میں غلطی کی) تو ایسے راوی کا نام مختلط ہے محدث دہلوی کا قول "فہذا یسمی مختلطا" میں مختلط حدیث کی صفت ہے یعنی فہذا یسمی حدیثا مختلطاً، یعنی بصیغۂ اسم مفعول، جس طرح اوپر شاذ حدیث کی صفت ہے (۱)

حکم المختلط: اختلاط واختلال سے پہلے جو روایتیں بیان کی ہیں اگر وہ اختلاط کے بعد بیان کردہ روایتوں سے ممتاز اور الگ ہیں تو مقبول ہوں گی اور اگر دونوں زمانے کے روایتوں میں امتیاز نہیں ہے تو ان کے قبول ورد کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور یہی توقف کا حکم اس راوی کے متعلق بھی ہوگا جس کے اختلاط اور عدم اختلاط میں اشتباہ ہو یا جس کے اختلاط کے ابتدائی زمانہ میں بر بنائے اختلاط اشتباہ پیدا ہو گیا ہو۔

سیئ الحفظ راوی کے اگر تابع وشاہد مل جائیں تو اس کی روایت درجۂ رد وتوقف سے ترقی کر کے درجۂ قبول ورجحان میں پہنچ جائے گی یہی حکم مستور، مدلس اور مرسل حدیثوں کا بھی ہے (کہ ان کے تابع وشاہد حاصل ہو جانے کی صورت میں مقبول ہو جائیں گی۔)

۱۔ کما حققه المحقق السندی فی امعان النظر (قلمی) ص: ۲۲۷

الفصل السادس
فى
الغريب، والعزيز، والمشهور، والمتواتر

الغريب: الحديث الصحيح إن كان راويه واحدًا يُسمّى غريباً.

العزيز: وإن كان اثنين يُسمّى "عزيزاً"

المشهور: وإن كانوا اكثر يُسمّىٰ "مشهوراً" ومُستفيضاً

المُتواتر: وإنْ بلغتْ رُواتُه فِى الكَثْرَةِ إلى أنْ يَستَحِيلَ فِى العَادَةِ تواطؤهم على الكذبِ يُسمّىٰ "متواتراً"

الفرد: ويُسمّىٰ الغريبُ "فرداً" ايضاً.

الفرد النسبى: ١- والمُرادُ بكونِ رَاوِيه واحداً، كونُه كذلِكَ وَلَوْ فِىْ مَوضعٍ وَاحِدٍ مِنَ الإسنَادِ لٰكِنّهُ يُسمّىٰ "فرداً نسبياً"

الفردالمطلق: وَإنْ كانَ فِىْ كُلِّ مَوضِعٍ مِنهُ يُسَمّىٰ "فَرداً مُطلقاً"

تَنبِيهَان: والمُرادُ بكونِ الرّاوِىْ إثنَيْنِ أنْ يَكُوْنَ فِى كُلِّ مَوْضعٍ كذٰلِكَ فَإنْ كَانَ فِى مَوْضِعٍ وَاحِدٍ مَثلاً، لَمْ يَكُنِ الحدِيثُ عزيزاً بل غريباً وَعلىٰ هٰذا القياس مَعنى إعتِبَارِ الكَثْرَةِ فِى المَشْهُورِ أنْ يَكونَ فى كُلِ موضعٍ أكْثرَ مِنْ إثْنَيْنِ.

وهٰذا مَعْنَى قَوْلِهِمْ: إنّ الأقَلّ حَاكِمٌ عَلى الأكْثَرِ فِى هٰذا الفَنّ فافْهَمْ.

٢- وَعُلِمَ مِما ذُكِرَ أنّ الغَرَابَةَ لاَتُنَافِى الصِّحّةَ، وَيَجُوْزُ أنْ يَكُوْنَ

الحديثُ صحيحاً غريباً بأنْ يكونَ كلُّ واحدٍ مِنْ رجالِه ثقةً. وللغريبِ معنىً آخرَ: والغريبُ قدْ يقعُ بمعنى الشاذّ أى شذوذاً هوَ من أقسام الطّعْنِ فى الحديثِ، وهذا هو المُرادُ مِنْ قَوْلِ صاحِبِ المَصابيحِ مِنْ قَوْلِهِ هذا حديثٌ غريبٌ لِما قالَ بطريقِ الطّعْنِ.

وبعضُ النّاسِ يُفسّرونَ الشاذّ بمُفرَدِ الرّاوِي مِنْ غيرِ اعتبارِ مخالفتِه للثّقاتِ كَما سبَقَ ويَقولونَ صَحيحٌ شاذٌّ وصَحيحٌ غيرُ شاذٍّ، فالشذوذُ بهذا المَعنى ايضاً لاَ يُنافِى الصِّحّةَ كالغَرابَةِ والّذِى يُذْكَرُ فى مقَامِ الطّعْنِ هُوَ مُخالِفٌ للثِّقاتِ:

چھٹی فصل

غریب، عزیز، مشہور اور متواتر کے بیان میں

غریب: صحیح حدیث کے راوی (کسی طبقے میں) اگر ایک ہوں تو اس حدیث کو غریب کہتے ہیں۔

علامہ ابو الفیض فارسی نے بھی قریب قریب غریب کی یہی تعریف کی ہے (۱) جب کہ غریب اپنی سند کے اعتبار سے صحیح، حسن، ضعیف سب ہوتی ہے اس لئے تعریف یوں کی جاتی ہے کہ جس کی سند ایک ہو وہ غریب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ فارسی اور محدث دہلوی نے مطلق غریب کی نہیں بلکہ غریب صحیح کی تعریف کی ہے ورنہ صحیح کی قید زائد ہو گی۔ واللہ اعلم۔

عزیز: اور اگر اس کے راوی (ہر طبقہ میں) دو ہوں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔

تشریح: عزیز، عَزَّ یَعَزُ (ض، ف) سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی کم یاب اور قوی ہونے کے ہیں۔

حدیث کی اس نوع خاص کو عزیز بایں وجہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیث قلیل الوجود اور کم یاب ہے یا اس وجہ سے کہ ایک اور سند سے آجانے کی بناء پر یہ حدیث غریب سے قوی ہو گئی ہے۔

ابو علی جُبّائی معتزلی وغیرہ نے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اسکے عزیز ہونے کی

۱۔ الغریب ھو الذی انفرد به العدل الضابط من تجمع حدیثه (جواہر الاصول ص: ۳۴)

شرط لگائی ہے مگر ان کا یہ قول ضعیف اور جمہور محدثین کے تعامل کے خلاف ہے۔

مشہور: اور اگر حدیث کے راوی (ہر طبقہ میں) دو سے زیادہ (مگر حد تواتر سے کم) ہوں تو (محدثین کی اصطلاح میں) اس کا نام مشہور اور (بعض فقہاء کی اصطلاح میں) مستفیض ہے۔

تشریح: مشہور بمعنی شہرت یافتہ شَهَرَ يَشْهَرُ شُهرةً (ف) سے مشتق ہے چونکہ علمائے حدیث کے نزدیک اس نوع کی حدیث شائع اور واضح ہوتی ہے اس لئے اس کو مشہور کہتے ہیں۔ اور مستفیض، استفاضہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بہنے پھیلنے کے ہیں، مشہور اور مستفیض میں مناسبت معنوی ظاہر ہے۔

اس مشہور اصطلاحی کے علاوہ عرف عام میں اس حدیث کو بھی مشہور کہا جاتا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہوتی ہے خواہ اس کی سند غریب ہو یا سرے سے کوئی سند ہی نہ ہو اس مشہور عوامی کے موضوع پر امام سخاوی کی المقاصد الحسنة فی کثیر من الاحادیث الدائرة علی الالسنة اور العلامہ العجلونی کی "کشف الخفاء ومزیل الالباس" عمدہ اور جامع کتابیں ہیں۔

متواتر: اور اگر حدیث کے راویوں کی کثرت اس حد کو پہنچ جائے کہ ان سب کا (باہمی رائے و مشورہ سے) جھوٹ پر اتفاق از روئے عادت محال ہو تو اس کو حدیث متواتر کہتے ہیں(۱)

تشریح: حدیث متواتر قطعی الثبوت ہے جس سے مثل چشم دید کے علم یقینی قطعی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ اوپر کی تینوں قسمیں یعنی مشہور، عزیز اور غریب ظنی الثبوت ہیں اور ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے البتہ خبر مشہور افادۂ علم میں خبر عزیز سے اور عزیز خبر غریب سے بڑھی ہوتی ہیں (۲) نیز خبر متواتر کے رجال پر بحث نہیں کی جائے گی بلکہ نفس ثبوتِ تواتر سے

۱۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے شرح نخبہ کی شرح میں التواطؤ کا یہ معنی بیان کیا ہے "التواطؤ" هو ان يتفق قوم على اختراع شيء معين بعد المشاورة والتقرير بان لا يقول احد خلاف ما يقوله الآخر ترجمہ میں اسی کی رعایت کی گئی ہے۔

۲۔ المختار عندنا معشر الحنفية ان كلِ واحد فهو مفيد للظن وان تفاوت طبقات الظنون قوةً وضعفاً (قفو الاثر مطبوعہ مطبع ایجوکیشنل کراچی، ص:۱۰)

اس پر عمل واجب ہو جائے گا جب کہ بقیہ اقسام کے رجال محتاج بحث و تحقیق ہوتے ہیں ان کی ثقاہت کے بعد ہی ان کی مرویات مقبول ہوں گی۔

فرد: اور غریب کو فرد بھی کہتے ہیں (پھر فرد کی دو قسمیں ہیں فردِ نسبی اور فرد مطلق)

۱-۲- **فردِنسبی وفرد مطلق**: (غریب کی تعریف میں) راوی کے ایک ہونے سے مراد اس کا تفرد ہے اگر چہ یہ تفرد سند کے کسی ایک ہی مقام میں ہو لیکن (اس صورت میں) اس کو فرد نسبی کہیں گے۔ اور اگر سند کے ہر طبقہ میں راویوں کا تفرد ہو تو اسے فرد مطلق کہتے ہیں۔

تشریح: غرابت کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ اصل سند یعنی طبقہ تابعی میں راوی متعدد ہوں مگر نیچے کے طبقہ میں کوئی راوی منفرد ہو گیا، مثلاً ایک حدیث کسی صحابی سے چند تابعی روایت کریں پھر ان تابعین کے ہر فرد سے الگ الگ ایک جماعت اسے روایت کرے پھر اس جماعت کے ہر فرد سے علیحدہ علیحدہ متعدد راوی اس کی روایت کریں مگر اس جماعت کے ایک فرد سے صرف ایک ہی شخص روایت کرے۔

(۲) یہ کہ اصل سند یعنی تابعی کسی حدیث کی روایت میں منفرد اور تنہا ہوں پھر نیچے کے طبقہ میں اس کے راوی متعدد ہو گئے ہوں۔

(۳) یہ کہ سند کی ابتدا (یعنی تابعی) سے انتہا تک ہر طبقہ میں ایک ایک ہی راوی ہوں یعنی اس کی سند ایک ہو

حضرات محدثین کے اصول کی رو سے ان تینوں صورتوں میں حدیث غریب ہو گی مگر ان کی اصطلاح اور عرف میں پہلی صورت کو فرد نسبی (یعنی فرد بالنسبۃ الی جہۃ خاصۃ) اور آخری دونوں صورتوں کو فرد مطلق (یعنی فرد بلا استثناء) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر بغرض اختصار فرد مطلق پر علی العموم فرد کا اطلاق کرتے ہیں اور فرد نسبی پر غریب کا لفظ بولتے ہیں۔ یہ فرق محض استعمال اور عرف کا ہے ورنہ از روئے لغت فرد اور غریب دونوں ہم معنی ہیں۔

اس مختصر تشریح کے بعد محدث دہلوی کی تعریفی عبارت پر نظر ڈالئے فرد نسبی کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ راوی کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ تفرد پوری

سند میں ہونے کی بجائے اگر ایک ہی طبقہ میں ہو تو اسے فرد نسبی کہیں گے (ولو فی موضع واحد من الاسناد) کے عموم میں طبقہ تابعین کا تفرد بھی داخل ہو جاتا ہے جب کہ تشریح میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ تابعی کے تفرد کو فرد مطلق کہتے ہیں نہ کہ فرد نسبی اس لئے اگر یوں فرماتے کہ "ولو فی موضع واحد من اثناء السند" تو تعریف میں یہ خلل نہ پیدا ہوتا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ تعریف تحقیقی نہیں بلکہ تقریبی ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

پھر فرد مطلق کی تعریف میں فرماتے ہیں جس کے راوی سند کے ہر طبقے میں ایک ہوں یعنی تابعی سے لیکر آخر سند تک اس حدیث کو روایت کرنے والے ہر طبقہ میں ایک ایک راوی کے علاوہ نہ ہوں تو یہ فرد مطلق ہوگی۔ بعینہٖ یہی تعریف حافظ ابن الصلاح نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"الافراد منقسمة الیٰ ما ھو فرد مطلق، والی ما ھو فرد بالنسبة الی جھة خاصة، اما الاول فھوما ینفرد به کل واحد عن کل واحد ———— واما الثانی وھو فرد بالنسبة" (۱)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرد کی دو قسمیں ہیں فرد مطلق اور فرد نسبی، فرد مطلق وہ ہے جس میں ہر ایک ہر ایک سے روایت کرنے میں منفرد اور اکیلا ہو اور فرد نسبی وہ ہے کہ جس میں بالنسبة تفرد ہو۔

فرد مطلق کی یہ تعریف بلاشبہ اس کی ایک صورت پر صادق آرہی ہے یعنی تشریح میں مذکور تیسری صورت کے یہ بالکل مطابق ہے مگر تشریح میں مذکور دوسری صورت پر یہ صادق نہیں آتی اس لئے اس تعریف کے مقابلے میں حافظ ابن حجر کی بیان کردہ تعریف زیادہ منقح اور جامع ہے کیونکہ ان کی تعریف فرد مطلق کی دونوں صورتوں کو حاوی ہے ان کی تعریف کے الفاظ یہ ہیں ثم الغرابة اما یکون فی اصل السند ای فی الموضع الذی یدور الاسناد علیه ویرجع الیه پھر غرابت یا تو اصل سند میں ہوگی یعنی طبقہ تابعی میں کہ اس حدیث متعین کی سند گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹتی ہو مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا انحصار اسی تابعی منفرد پر

۱۔ مقدمہ ابن الصلاح ص: ۲۴۴ مطبوعہ دار العلوم دیو بند۔

ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ غرابت طبقہ تابعی میں ہو کہ صرف ایک تابعی اس حدیث کو روایت کریں تو ان کو فرد مطلق کہیں گے خواہ تابعی کے بعد اس کے راوی کثیر ہو جائیں کیونکہ جب اصل سند میں غرابت پیدا ہو گئی تو بعد کی شہرت وشیوع اس غرابت کو ختم نہ کر سکے گی بلکہ بہر صورت اسکی فردیت علی الاطلاق باقی رہے گی۔

تنبیہ: اور عزیز کی تعریف میں راوی کے دو ہونے سے مراد سند کے ہر طبقہ میں ان کا (کم از کم) دو ہونا ہے لہٰذا اگر سند کے کسی طبقہ میں ایک ہی راوی ہو تو یہ حدیث عزیز نہیں بلکہ غریب ہو جائے گی اور اسی قیاس پر مشہور میں کثرت کا معنی یہ ہو گا کہ ہر طبقہ میں دو سے زائد راوی ہوں۔

حضرات محدثین کے قول: **"الأ قل حاکم علی الاکثر فی هذا الفن"** کا یہی مفہوم ہے کہ فن علم حدیث میں اقل کے اعتبار سے حکم جاری ہوتا ہے خوب سمجھ لیجئے۔

تشریح: ہر طبقہ میں راوی کے دو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سند کی ابتداء سے انتہاء تک کسی بھی جگہ دو راویوں سے کم نہ ہوں اور اگر کسی طبقہ میں دو سے زائد ہو جائیں تو یہ زیادتی عزیز پر اثر انداز نہیں ہو گی مثلاً کوئی حدیث کثیر سندوں سے مروی ہے مگر اس کے بعض طبقہ میں صرف دو ہی راوی ہیں تو دیگر طبقوں میں رواۃ کے کثیر ہونے کے باوجود یہ حدیث عزیز ہی ہو گی یعنی اعتبار اکثر کا نہیں بلکہ اقل کا ہو گا اسی بناء پر محدثین کہتے ہیں **"الأقل فی هذ الفن حاکم علی الاکثر"** یعنی فن علم الحدیث میں اقل کے لحاظ سے حکم جاری ہوتا ہے جیسا کہ مثال سے واضح ہے۔

تنبیہ: (۲) مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حدیث کی غرابت اس کی صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو بایں صورت کہ اس حدیث غریب کے تمام رجال ثقہ ہوں تو یہ غریب ہونے کے باوجود صحیح ہو گی۔

فائدہ: یہاں محدث دہلوی لکھ رہے ہیں **"یجوز ان یکون الحدیث صحیحا غریبا"** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حدیث غریب غیر صحیح بھی ہو سکتی ہے جب کہ اوپر غریب کی تعریف میں "صحیح" کی قید لگائی ہے جس سے لازمی طور پر غریب صحیح ہو گی۔ دونوں عبارتوں کے اس تضاد سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ غریب کی تعریف میں صحیح کی قید سہو کاتب ہے اگر ایسا ہو تو عبارتوں کا تضاد

بھی دور ہو جائے گا اور عام محدثین سے مخالفت کا الزام بھی ختم ہو جائے گا (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

غریب کا ایک اور معنی: غریب کبھی شاذ (یعنی جس سے حدیث مطعون ہو جاتی ہے) کے معنی میں بھی آتا ہے امام محی السنہ حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۰ھ مصابیح السنہ میں جب موقع طعن میں بعض حدیثوں کے متعلق کہتے ہیں "ھذا حدیث غریب" تو غریب سے ان کی مراد یہی شاذ ہوتی ہے۔

اور بعض محدثین اس کے برعکس شاذ کا لفظ غریب کے معنی میں استعمال کرتے ہیں (یعنی شاذ میں) مخالفت ثقات کی قید کا لحاظ کئے بغیر محض راوی کے تفرد کو شاذ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے اور "ھذا حدیث صحیح شاذ، وصحیح غیر شاذ" کہتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے شذوذ (غرابت کی طرح) صحت کے منافی نہیں ہوگا۔ اور جس شاذ کا ذکر موضع طعن میں کیا جاتا ہے (اس سے مراد) وہ شاذ ہے جو ثقات کے مخالف ہو۔

تشریح: دوسری فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ثقہ اپنے اولیٰ وارجح کے خلاف روایت کرے تو اسکی حدیث شاذ کہلاتی ہے لیکن امام حاکم تفردِ ثقہ کو (جسے عام محدثین غریب کہتے ہیں) شاذ کہتے ہیں محدث دہلوی نے اس موقع پر اسی شاذ کو بیان کیا ہے۔

اور امام بغوی نے مصابیح السنہ میں امام حاکم کی اصطلاح کے برعکس جمہور محدثین کے شاذ اصطلاحی کو لفظ غریب سے تعبیر کیا ہے۔

لہٰذا کسی حدیث کی تحقیق کے وقت محدثین کی ان اصطلاحات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ فیصلہ میں غلطی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆

الفصل السابع
فى
مَرَاتبُ الضعيف والصحيح وغيره

مراتب الضعيف: الحَديثُ الضّعِيفُ هُوَ الّذِىْ فُقِدَ فِيْهِ الشرَائطْ المُعْتَبَرةُ فِى الصِّحَةِ وَالحُسنِ كُلاً اَوْ بَعْضاً، ويُذمُ رَاوِيه بِشذُوذٍ اَوْ نَكَارةٍ اَوعِلّةٍ، وَبِهذا الاعتبارِ يَتَعَدّدُ الضّعِيفُ وَيَكْثُرُ افرَاداً وتركيباً.

مراتب الصحيح والحسن: ومراتبُ الصحيحِ والحسن لذاتهما ولِغَيرِهِمَا ايضاً تَتَعَدّدُ بتفاوتِ المَرَاتِبِ والدرجَاتِ فِى كَمال الصِّفَاتِ المُعْتَبَرةِ المَاخُوذَةِ فى مَفْهُومَيْهِمَا مع وجود الاشتراك فِى أصْلِ الصِّحَةِ والحُسْنِ والقَومُ ضَبَطُوا مَرَاتِبَ الصّحَة وعيَنُوها وَذَكَرُوا أَمْثِلَتَهَا مِن الأسَانِيْدِ وَقَالُوا: إسمُ العَدالَةِ والضبط يشمَلُ رجَالَها كُلَّهَا وَلٰكِنْ بَعْضُهَا فَوقَ بعضٍ.

اَصَحُ الاسَانِيدِ: وَامَّا اطلاقُ أصَحّ الأسَانِيد على سَنَدٍ مخصُوصٍ عَلَى الإطْلاَقِ فَفِيْهِ اِخْتِلاَفٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ أصَحُ الأسانيد زينُ العابدين عَن أبِيهِ الحُسين رضى الله عنه عن جَدّهِ [على بن ابى طالبؓ]

وَقِيْلَ: مالكٌ عَنْ نَافعٍ عَنِ ابنِ عُمَرَ رضى الله عنه، وقيْل: الزهرى عَنْ سَالِمٍ عن ابنِ عُمَرَ رضى الله عنه والحقُ انَ الحُكْم عَلىٰ اِسْنَادٍ مَخصُوصٍ بالأصَحّيَةِ على الاطْلاق غيرُ جائزٍ الاَّ انْ فِى الصحةِ مَرَاتِبَ عُلْيا، وَعدةُ الأسانيد يدْخلُ فيها، ولو قُيد بقيدٍ بِأنْ يُقَالَ ، أصَحُ أسَانيدِ البَلَدِ الفُلاَنى اوفى الباب الفُلانى اوفى المَسْألَةِ الفُلاَنيةِ يصِحُ، والله اعلم.

ساتویں فصل

ضعیف وصحیح کے درجات اور اس کے متعلقات کے بیان میں

ضعیف کے مراتب: ضعیف حدیث وہ ہے جس میں صحیح وحسن کی معتبر شرطیں بعض یا کل نہ پائی جائیں اور اس کا راوی شذوذ، نکارت اور علت سے مطعون ہو ــــــ ضعیف کی اس تعریف کے اعتبار سے ایک شرط یا بیک وقت متعدد شرطوں کے فقدان سے (تفاوت درجات کے لحاظ سے) ضعیف کی متعدد اور بہت ساری قسمیں ہو جائیں گی۔

تشریح: تیسری فصل میں حدیث صحیح، حسن اور ضعیف اور اس سے متعلق تفصیلات گذر چکی ہیں اس فصل میں حدیث کی ان اقسام ثلٰثہ کی تعریفیں بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے مراتب ودرجات کو بیان کر رہے ہیں۔

چونکہ حدیث ضعیف میں ضعف کی علت اس کا شروط صحت وحسن سے بُعد اور دوری ہے لہٰذا یہ بعد جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ضعف میں زیادتی ہوگی مثلاً کسی حدیث میں صحت کی ایک شرط نہیں ہے اور بقیہ چار شرطیں موجود ہیں تو اس میں ایک وجہ سے ضعف ہوگا اور اگر بیک وقت دو شرطیں مفقود ہیں تو دو وجہ سے ضعف ہوگا وعلیٰ ہٰذا القیاس کسی میں تین وجہ سے اور کسی میں اس سے زائد وجوہ سے ضعف ہوگا لہٰذا ایک شرط یا بیک وقت متعدد شرطوں کے فقدان کے اعتبار سے "حدیث ضعیف" کے درجات مختلف ہو جائیں گے اور اس تفاوت درجات کے

لحاظ سے ضعیف کی متعدد قسمیں ہو جائیں گی۔ لوگوں نے احتمال عقلی کے طور پر ایک سو اکیس۱۲۱ اور امکان وجودی کے اعتبار سے اکاسی۸۱ قسمیں بیان کی ہیں۔

محدث دہلوی کے قول وبهذا الاعتبار يتعدد الضعيف ويكثر افراداً وتركيباً کا یہی مطلب ہے۔

صحیح وحسن کے مراتب: صحیح وحسن (لذاتهما ولغيرهما) کے مراتب میں بھی تعدد ہے کیونکہ ان کے کمال صفات کے درجات میں (جو ان دونوں میں معتبر اور ان کے مفہوم سے ماخوذ ہیں) تفاوت ہے باوجود اس بات کے کہ اصل صحت وحسن میں سب مشترک ہیں۔ حضرات محدثین نے ان مراتب کو تعین ومنضبط کیا ہے اور سندوں سے ان کی مثالیں بیان کی ہیں اور تصریح کی ہے کہ ان سندوں کے جملہ رجال ضبط وعدالت پر مشتمل ہیں مگر ان میں بعض کا درجہ بعض سے بلند ہے۔

تشریح: اس موقعہ پر یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح حدیث ضعیف کے مراتب ضعف میں (صفات صحت کے انفرادی واجتماعی فقدان کے اعتبار سے) تفاوت ہو جاتا ہے، اسی طرح صفات صحت مثلاً عدالت وضبط وغیرہ کی قوت میں تفاوت ہونے سے حدیث صحیح کے مراتب بھی متفاوت ہو جائیں گے کیونکہ یہی صفات حدیث کی صحت کے مقتضی ہیں اور قاعدہ ہے کہ مقتضی کے تفاوت سے مقتضی میں تفاوت ہو جاتا ہے لہٰذا جس حدیث کے رواۃ عدالت وضبط کے درجہ اعلیٰ پر ہوں گے وہ حدیث اس روایت کے اعتبار سے اصح ہوگی جس کے رُواۃ اس مرتبہ اعلیٰ سے کم درجہ کے ہوں گے۔

اصح الاسانید: رہا مسئلہ کسی خاص ومعین سند کو اصح الاسانید کہنے کا تو اس میں اختلاف ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ اصح الاسانید "زين العابدين عَنْ ابيه الحسين رضى الله عنه عن جده (اى جدزين العابدين) على ابن ابى طالب رضى الله عنه" ہے اور کہا گیا ہے مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضى الله عنه اصح الاسانید ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ زهرى عن سالم، عن ابن عمر رضى الله عنه اصح الاسانید ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ کسی مخصوص سند پر علی الاطلاق اصحیت کا

حکم صحیح نہیں ہے۔ البتہ صحت کا ایک درجہ اعلیٰ ہے جس میں بہت سی سندیں داخل ہیں ہاں اگر (اطلاق وتعمیم کی بجائے) کسی قید کے ساتھ مثلاً یوں کہا جائے اصح الاسانید البلد الفلانی، اوفی الباب الفلانی، اوفی المسئلة الفلانیة (فلاں شہر کی اصح الاسانید، یا فلاں باب میں اصح الاسانید، یا فلاں مسئلہ میں اصح الاسانید) تو درست ہے۔

تشریح: حضرات محدثین کا مختار اور راجح قول یہی ہے کہ کسی خاص سند کو علی الاطلاق اصح الاسانید (تمام سندوں میں صحیح ترین) قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ مراتب صحت میں تفاوت اور کمی بیشی کا مدار سند میں شروط صحت اور صفات قبول کے پائے جانے پر ہے اور دیگر تمام سندوں کے مقابلہ میں کسی خاص سند کے ہر ہر فرد میں صفات قبول کا اعلیٰ درجے میں پایا جانا دشوار اور مشکل ہے (١)

علاوہ ازیں اصح الاسانید کے فیصلہ کے لئے ضروری ہے کہ اکناف عالم میں شرقاً وغرباً پھیلے ہوئے ہر زمانے کے تمام رواۃ کے احوال کی معرفت بھی حاصل ہو اور یہ عمومی معرفت پہلی مشکل سے بھی مشکل تر ہے۔

اگرچہ اس مشکل کے باوجود محدثین کی ایک جماعت اصح الاسانید کی تلاش و تحقیق میں مشغول ہوئی لیکن اس بارے میں وہ کوئی متفق علیہ فیصلہ نہ کر سکی اور ہر شخص نے اپنے اپنے ذوقِ تحقیق کے مطابق کسی ایک سند کو اصح الاسانید قرار دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(١) امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل کی نظر میں اصح الاسانید

زهری، عن سالم، عن ابن عمر، عن ابیه رضی الله عنه۔

(٢) علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس کی نظر میں اصح الاسانید

محمد بن سیرین، عن عبیدة بن عمرو السلمانی، عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه۔

---

(١) هل يطلق على الاسناد المعين انه اصح الاسانيد؟ المختار لا، لان تفاوت مراتب الصحة مرتب على تمكن الاسناد من شروط الصحة ويتعسر ذلك ان وجوده اعلى درجات القبول في كل فرد فرد من ترجمة واحدة بالنسبة جميع الرواة (ظفر الاماني ص: ٢٥)

(۳) امام نسائی اور یحیٰ بن معین کی نظر میں

ابراهیم النخعی عن علقمة بن قیس، عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه۔

(۴) عبدالرزاق بن ہمام اور ابو بکر بن شیبہ کی نظر میں

زهری، عن زین العابدین علي بن الحسین، عن ابیه، عن جده علی رضی الله عنه۔

(۵) امام بخاری کی نظر میں

مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضی الله عنه۔

(۶) سلیمان بن داؤد الشاذ کونی کی نظر میں

یحیی بن ابی کثیر، عن ابی سلمة، عن ابی هریره رضی الله عنه

(۷) امام وکیع کی نظر میں

شعبة، عن عمرو بن مرة، عن مرة، عن ابی موسیٰ الاشعری رضی الله عنه۔

(۸) امام عبداللہ بن المبارک اور عجلی کی نظر میں

سفیان الثوری، عن منصور، عن ابراهیم، عن علقمه، عن ابن مسعود رضی الله عنه(۱)

اس سلسلے میں محدثین کے اور بھی اقوال ہیں مزید تفصیل کے لئے فتح المغیث للسخاوی ، فتح الباقی علی الفیة العراقی، النکت علی ابن الصلاح مؤلفہ حافظ ابن حجر وغیرہ کتب مطولات کا مطالعہ کیا جائے، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں حضرات محدثین شکر الله سعیهم کی یہ کاوش ومحنت بتارہی ہے کہ ان بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وغیرہ سے عشق کی حد تک محبت تھی اور دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کی انہیں کس حد تک فکر تھی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے دیگر مذاہب میں اس کی مثال تلاش کرنا بے سود ہے۔

۱؎ یہ تفصیل امعان النظر قلمی ص: ۶۴-۶۵ سے منقول ہے۔

الفصل الثامن
في
اصطلاحات الترمذي

مِنْ عَادَةِ التِرمذِيِّ اَنْ يقول في جَامعه: حديثٌ حسنٌ، صحيحٌ — حديثٌ غريبٌ، حسنٌ — حديثٌ حسنٌ غريبٌ، صحيحٌ - ولاشبهة في جواز اجْتماعِ الحسَنِ والصحة بان يكون حَسناً لذاته وصحيحاً لغيره وكذلك في اجْتماعِ الغَرَابَةِ والصحّة كمَا أسلَفنا. أما اجْتماعُ الغَرَابَةِ وَالحَسن فيَشكلُوْنَهُ بأنَ الترمذِيَ اعْتَبَرَ في الحَسَنِ تَعدُّدَ الطرُقِ فكَيفَ يكُوْنُ غريباً.

جواب الإشكال: وَيُجِيبُوْنَ بأنَ اعْتبارَ تعدُّدِ الطرُقِ في الحَسَنِ لَيسَ عَلَى الاطلاَقِ، بَلْ فِيْ قِسمٍ مِنْه. وَحَيثُ حَكَمَ بِاجْتمَاعِ الحَسَنِ وَالغَرَابَةِ فَالمُرَادُ به قِسمٌ آخرُ.

و قال بعضهم: إنَهُ أشَارَ بذلِكَ الى اِخْتِلافِ الطرُقِ بأنْ جاءَ في بعضِ الطُرق غريباً و في بعضهما حَسنًا.

وقيل: الواوُ بمعنى "أوْ" بأنه يَشكُ وَيتَردَدُ في اَنَهُ غَرِيبٌ أوحَسَنٌ لعَدمِ مَعْرِفَتِه جزْماً.

وَقِيْلَ :المُرَادُ بالحَسَنِ هٰهُنا ليسَ مَعْنَاهُ الاصْطِلاَحِي بَلِ اللُغَوِيَ بمعنى مَا يَمِيْلُ اِلَيه الطَبعُ وهٰذا القَوْلُ بَعِيدٌ جداً.

آٹھویں فصل

امام ترمذیؒ کی اصطلاحات میں

امام ترمذی کی عادت ہے کہ وہ اپنی جامع میں کہتے ہیں حدیث حسن، صحیح، حدیث غریب، حسن حدیث حسن، غریب، صحیح حسن صحیح کے اجتماع کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو۔ یوں ہی غرابت و صحت کے اجتماع میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ ہم بیان کرآئے ہیں۔ البتہ حسن و غریب کے اجتماع پر اشکال کرتے ہیں کہ امام ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے (اور تعدد طرق غرابت کے منافی ہے) تو حسن غریب کیوں کر ہو سکتی ہے؟

اشکال کا جواب: اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حسن میں تعدد طرق کا اعتبار امام ترمذی کے نزدیک علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ حسن کی ایک خاص قسم میں ہے (یعنی جسے ترمذی صرف حدیث حسن کہتے ہیں) اور جس جگہ حسن کو غریب کے ساتھ جمع کیا ہے تو وہاں حسن کی دوسری قسم مراد ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حسن و غریب کے اجتماع سے اختلاف طرق کی جانب اشارہ کیا ہے کہ بعض طرق میں غریب اور بعض میں حسن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ واو بمعنی "او" ہے کہ انہیں اس بارے میں تردد اور شک ہے کہ یہ حدیث غریب ہے یا حسن کیونکہ اس بارے میں یقینی معرفت حاصل نہیں ہو سکی۔

اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حسن اس جگہ اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی یعنی "ما یمیل الیه الطبع" وہ چیز جس کی طرف قلب کا میلان ہو یعنی

خوبصورت و دلفریب کے معنی میں ہے اور یہ قول صواب و درستگی سے بعید ہے۔

تشریح: امام ترمذی کا طریقہ ہے کہ وہ جامع ترمذی میں حدیث کے اوصاف حسن، صحیح، غریب کو کبھی انفراداً اور تنہا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں (۱) حدیث حسن (۲) حدیث صحیح (۳) حدیث غریب۔ اور کبھی دو یا تینوں وصفوں کو ایک ہی حدیث میں جمع کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں (۴) حدیث حسن صحیح۔ (۵) حسن غریب۔ (۶) صحیح غریب یہ دو وصفوں کو اکٹھا ذکر کرنے کی صورتیں ہیں اور کبھی کہتے ہیں حسن صحیح، غریب، یعنی تینوں کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی تینوں صورتیں جن میں صرف ایک وصف کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ ان کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ البتہ چوتھی اور پانچویں یعنی "حسن صحیح" اور "حسن غریب" محل اشکال ہیں۔

"حسن صحیح" پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ فصل ثالث میں "صحیح و حسن" کی تعریف سے معلوم ہو چکا ہے کہ "صحیح" کے مقابلے میں "حسن" کا درجہ کچھ کم ہے لہٰذا کسی حدیث کو "حسن" کہنا یہ بتا رہا ہے کہ اس کا درجہ "صحیح" سے کچھ کم ہے پھر اسی حدیث کو "صحیح" کہنے سے پہلی بات کی نفی ہو جاتی ہے اس تضاد کی بناء پر دونوں وصفوں کا اجتماع بظاہر درست نہیں ہے۔

اور "حسن غریب" پر یہ اشکال ہے کہ چھٹی فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ "غریب" وہ حدیث ہے جس کی سند ایک ہو اور خود امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ "حسن" ان کے نزدیک وہ حدیث ہے جو متعدد سندوں سے مروی ہو (۱) دونوں کی تعریفیں بتا رہی ہیں کہ "غرابت" اور "حسن" میں منافات ہے اس لئے امام ترمذی کا ایک حدیث کے وصف میں دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کرنا دو منافی کو ایک محل میں جمع کرنا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

پہلے اشکال کو محدث دہلویؒ نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ "حسن و صحت"

۱۔ قال الترمذی فی العلل الصغیر: وما ذکرنا فی الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسناده عندنا کل حدیث یروی لایکون فی اسناده من یتھم بالکذب، ولا یکون الحدیث شاذاً، ویروی من غیر وجه نحو ذلك، فهو عندنا حسن۔ الجامع الترمذی ج ۲ ص: ۲۳۸۔

کے اجتماع کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث "حسن لذاتہ" اور "صحیح لغیرہ" ہو اس لئے ایک اعتبار سے "حسن" اور دوسرے اعتبار سے "صحیح" کہہ سکتے ہیں دوسرے اشکال کے محدث دہلوی نے تین جوابات نقل کئے۔

پہلے جواب کی توضیح یہ ہے کہ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں لفظ "حسن" کو دو معنوں میں استعمال کیا ہے (اول) جب وہ "حدیث حسن" کہتے ہیں یعنی اس صفت کو تنہا ذکر کرتے ہیں تو اپنی خاص اصطلاح کے مطابق اس میں تعدد طرق کا اعتبار کرتے ہیں (ثانی) اور جب اسے دوسرے اوصاف کے ساتھ لاتے ہیں مثلاً "حسن صحیح یا حسن غریب" کہتے ہیں تو اس وقت جمہور محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس میں تعدد طرق کا معنی ملحوظ نہیں رکھتے اور اس اصطلاح کے اعتبار سے حسن اور غریب میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ حدیث غریب اپنے راویوں کے صفات کے لحاظ سے صحیح، حسن، ضعیف سب ہو سکتی ہے جیسا کہ غریب کی بحث میں معلوم ہو چکا ہے۔

دوسرے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں وصفوں یعنی حسن اور غریب کو اکٹھا ذکر کر کے حدیث کے تعدد طرق کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث مذکورہ خاص سند کے اعتبار سے غریب ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر اور سندوں سے مروی ہونے کی بناء پر حسن ہے۔ یہ جواب اس موقع کے ساتھ خاص ہوگا جہاں امام ترمذی "هذا حديث حسن غريب بهذا لاسناد" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے کتاب العلل میں غریب کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے ایک قسم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

هذا حديث غريب من هذا الوجه من قبل اسناده وقدروى هذا من غير وجه عن النبى صلى الله عليه وسلم" (۱)۔

یعنی حدیث اس خاص سند کے لحاظ سے غریب ہے اور دیگر کئی سندوں سے بھی یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

تیسرے جواب کا مطلب یہ ہے کہ "حسن غریب" دونوں وصفوں کو جمع کر کے

۱۔ کتاب العلل مع جامع ترمذی صفحہ ۲۳۸

شک و تردد کی جانب اشارہ کیا ہے یعنی اس حدیث کے راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال میں اختلاف کی بناء پر امام ترمذی اس حدیث کے حسن یا غریب ہونے کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکے اس لئے "حسن غریب" کہہ کر اس تردد اور شک کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ لہٰذا حسن غریب کے درمیان حرف تردید "و" "بمعنی" "او" محذوف ہو گا۔

اس جواب کو محدث دہلوی نے، وقيل الواو بمعنى او بانه يشك الخ" کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ یعنی بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حسن غریب کے درمیان حرفِ عطف واؤ جو او کے معنی میں ہے محذوف ہے براہِ راست "او" محذوف نہ مان کر واؤ بمعنی او محذوف ماننے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مجیب کے نزدیک حرف او کا حذف درست نہیں ہے اس لئے حرفِ عطف واو بمعنی او کو حذف مان رہے ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ واو کی طرح حرف او کا حذف بھی کلام فصیح میں کثیر الاستعمال ہے (۱) اس لئے اس تکلف کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)

---

۱. امعان النظر قلمی ص: ۸۲

الفصل التاسع
فى
الاحتجاج بالحديث الصحيح والحسن والضعيف

الاحتجاج بالصحيح والحسن: الاحتجاج فى الاحكام بالخبر الصحيح مجمعٌ عليه كذلك بالحسن لذاته عند عامة العلماء وهو ملحقٌ بالصحيح فى باب الاحتجاج وان كان دونه فى المرتبة، والحديث الضعيف الذى بلغ بتعدد الطرق مرتبة الحسن لغيره ايضاً مجمعٌ عليه (١)

الاحتجاج بالضعيف: وما اشتهر أن الحديث الضعيف معتبرٌ في فضائل الأعمال لاغيرها المراد مفرداته لا مجموعها لأنه داخلٌ في الحسن لا في الضعيف صرح به الأئمة.

وقال بعضهم : (٢) إن كان الضعف من جهة سوء حفظ، أو إختلاط، او تدليس مع وجود الصدق والديانة ينجبر بتعدد الطرق.

وإن كان من جهة إتهام الكذب او الشذوذ او فحش الغلط لا ينجبر بتعدد الطرق، والحديث محكوم عليه بالضعف ومعمولٌ به فى فضائل الأعمال وعلى مثل هذ اينبغي أن يحمل "أن لحوق الضعيف بالضعيف لايفيد قوة" وإلا فهذا القول ظاهر الفساد، فتدبر.

---

١. هكذا فى النسخة المطبوعة مع المشكوة واللمعات ولعل الصحيح محتج به.

٢. فى النسختين " الضعيف " والصحيح الضعف كما اثبتناه.

نویں فصل

حدیث صحیح، حسن اور ضعیف سے احتجاج کے بیان میں

صحیح وحسن احادیث سے احتجاج: احکام میں حدیث صحیح سے احتجاج پر اجماع ہے اور یہی حکم عامۂ علماء کے نزدیک "حسن لذاتہ" کا بھی ہے۔ باب احتجاج میں "حسن لذاتہ" حدیث صحیح کے ساتھ لاحق ہے اگرچہ مرتبہ میں صحیح سے کم ہے اور جو حدیثِ ضعیف تعدد طرق سے "حسن لغیرہ" کے درجہ میں پہنچ جائے اس سے احتجاج پر بھی اجماع ہے۔

ضعیف حدیث سے احتجاج: اور یہ جو مشہور ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے غیر فضائل میں نہیں تو اس سے مراد مفرد حدیث ضعیف ہے نہ کہ ان کا مجموعہ اس لئے کہ ضعیف اپنے مجموعہ کے لحاظ سے حسن (لغیرہ) میں داخل ہے نہ کہ ضعیف میں، ائمہ (محدثین وفقہاء) نے اس کی صراحت کی ہے بعض محدثین نے یوں تفصیل کی ہے کہ حدیث میں ضعف اگر راویوں کے سوء حفظ، یا اختلاط، یا تدلیس کی راہ سے ہے جب کہ راوی صدق ودیانت سے متصف ہے تو تعدد طرق سے یہ ضعف زائل ہو جائے گا اور اگر حدیث میں ضعف رواۃ پر کذب کے اتہام، یا شذوذ یا کثرت خطاء کی جہت سے ہے تو تعدد طرق سے یہ ضعف زائل نہیں ہوگا (اور کثرت طرق کے باوجود) حدیث پر ضعف کا حکم ہوگا اور فضائل اعمال میں معمول بہ ہو گی۔ مناسب ہے کہ اسی جیسی صورت پر محدثین کا یہ قول محمول کیا جائے کہ "لحوق الضعیف بالضعیف لا یفید قوۃً" یعنی حدیث ضعیف کا ضعیف کے ساتھ الحاق حدیث کی تقویت میں مفید نہیں ہے ورنہ

(علی العموم) اس قول کا فساد ظاہر ہے۔ فتدبر

تشریح: صحیح وحسن (لذاتهما ولغيرهما) احادیث سے مسائل حرام وحلال نیز صفات باری تعالیٰ اور دیگر اعتقادی احکام میں استدلال واحتجاج پر محدثین وفقہاء کا اتفاق واجماع ہے۔

اور ضعیف حدیثوں کے بارے میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ حلال وحرام اور اعتقادی مسائل میں ان سے استدلال جائز نہیں ہے البتہ اعمال دینیہ کے فضائل، استحباب، مناقب اور ترغیب وترہیب کے ابواب میں ضعیف احادیث سے استدلال واحتجاج میں اختلاف ہے اس سلسلے میں عام طور پر تین اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) ضعیف احادیث سے مطلقاً استدلال جائز نہیں یعنی نہ احکام میں نہ فضائل واستحباب میں مشہور سیرت نگار ابن سید الناس نے امام یحییٰ بن معین کے حوالہ سے اس قول کو نقل کیا ہے قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کا یہی مسلک ہے۔

(۲) صحیح وحسن احادیث کی غیر موجودگی میں ضعیف روایتوں سے استدلال بغیر کسی شرط کے جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد کا یہی مسلک نقل کیا جاتا ہے۔

(۳) تین شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف روایتوں سے استدلال جائز ہے (۱) جمہور محدثین وفقہاء کا یہی مسلک ہے ان تین شرطوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حافظ سخاوی لکھتے ہیں۔

سمعت شيخنا ابن حجرؒ مرارا يقول شرائط العمل بالحديث الضعيف ثلاثة، الاول متفق عليه وهو ان يكون الضعف غير شديد ، كحديث من انفرد من الكذابين والمتهمين، ومن فحش غلطه والثانی ان يكون مندرجاتحت اصل عام، والثالث، ان لا يعتقد عند العمل ثبوته لئلا ينسب الى النبى صلى الله عليه وسلم مالم يقله والاخيران عن ابن عبدالسلام وابن دقيق العيد والاول نقل العلائى الاتفاق عليه (۲)

---

۱. المختصر الوجيز فی علوم الحديث ص: ۱۵۸

۲. ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی ص: ۱۰۱

میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ سے بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں پہلی شرط اتفاقی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ضعف قوی نہ ہو مثلاً کذاب، متہم بالکذب، اور کثرت سے غلطی کرنے والوں کی متفرد و غریب حدیث (جس کا ضعف نہایت شدید ہے)

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث (یعنی اس کا مدلول و مفہوم) کسی قواعد شرعیہ کے عموم میں داخل ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی بات کا انتساب نہ ہو جائے جو آپؐ نے بیان نہ فرمائی ہو۔ آخر کی دو شرطیں شیخ عزالدین ابن عبد السلام اور شیخ تقی الدین بن دقیق العید سے منقول ہے اور پہلی شرط پر حافظ صلاح الدین العلائی نے اتفاق نقل کیا ہے "ماالشتہر ان الحدیث الضعیف الخ سے محدث دہلوی نے یہ وضاحت کی ہے کہ فضائل اعمال میں جس ضعیف حدیث پر عمل کی گفتگو ہو رہی ہے اس سے مراد "حدیث فرد ہے" یعنی جس کی سند صرف ایک ہو ورنہ حدیث ضعیف (جس کا ضعف قوی نہ ہو) تعدد طرق سے حسب تصریح ائمۂ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے جس سے سب کے نزدیک علی الاطلاق استدلال جائز ہے جیسا کہ اوپر کی عبارت سے معلوم ہو چکا ہے۔

وقال بعضهم ان كان الضعف الخ۔ اس عبارت سے اس ضروری مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں کہ تعدد طرق سے علی الاطلاق ہر قسم کا ضعف دور نہیں ہوتا بلکہ ضعف قلیل جو سوء حفظ، اختلاط اور تدلیس وغیرہ کی راہ سے آیا ہو وہی تعدد طرق سے زائل ہوتا ہے اور اگر ضعف شدید و قوی ہو مثلاً اس کے راوی پر کذب کا اتہام ہو یا کثرت سے غلطی کرنے کا طعن ہو یا حدیث میں شذوذ ہو تو یہ ضعف کثرتِ طرق سے دور نہیں ہوگا۔

چنانچہ حافظ عراقی شرح الفیہ میں لکھتے ہیں:

"ليس كل ضعف فى الحديث يزول بمجيئه من وجوه، بل ذلك يتفاوت: فمنه ضعف يزيله ذلك بان يكون ضعفه ناشئاً من

سوء حفظ راویه مع کونه من اهل الصدق والديانة ــــ ومن ذلك: ضعف لايزول بذلك كالضعف الذى ينشئا من كون الراوى متهما بالكذب او كون الحديث شاذاً (۱)

حدیث کا ہر ضعف تعدد طرق سے دور نہیں ہوتا بلکہ ضعف (باعتبار درجہ) متفاوت ہیں۔ بعض ضعف وہ ہے جسے تعدد طرق دور کر دیتا ہے (مثلاً) جو ضعف راوی کے حافظہ کی کمزوری کی بناء پر پیدا ہوا ہو حالانکہ صداقت و دیانت سے متصف ہے (یہ تعدد طرق سے زائل ہو جائے گا ضعف کی بعض قسم وہ ہے جو تعدد طرق سے دور نہیں ہوتا جیسے جو ضعف راوی کے متہم بالکذب یا حدیث کے شاذ ہونے کی وجہ سے ہو وہ تعدد طرق سے زائل نہیں ہوگا۔

والحديث محكوم به بالضعف ومعمول به فى فضائل الاعمال۔

یعنی جس حدیث کے رواۃ متہم بالکذب یا کثرت سے غلطی کرنے والے ہوں وہ حدیث کثرت طرق کے باوجود ضعیف ہی رہے گی مگر اس کا ضعف تعدد طرق کی وجہ سے قلیل ہو جائے گا اور اس قابل ہو جائے گا کہ فضائل اعمال[۱] میں اس پر عمل کیا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

"الضعيف الذى ضعفه ناشىء عن سوء حفظ رواته اذاكثرت طرقه ارتقىٰ الى مرتبة الحسن، والذى ضعفه ناشى عن تهمة او جهالة اذا كثرت طرقه ارتقىٰ عن مرتبة المردود المنكر الذى لايجوز العمل به بحال الى مرتبة الضعيف الذى يجوز العمل به فى الفضائل" (۲)

جس حدیث میں ضعف اس کے راویوں کے سوء حفظ سے پیدا ہوا ہے کثرت طرق سے وہ ترقی کر کے مرتبۂ حسن میں پہنچ جاتی ہے اور جس میں ضعف

---

۱ امعان النظر قلمی ص: ۲۲۵، ۲۲۶

۲۔ امعان النظر قلمی ص: ۲۲۶،۲۲۵

اس کے رواۃ کے متہم بالکذب ہونے یا ان کی جہالت کی بناء پر ہے جب اس کے طرق کثیر ہو جائیں تو وہ مردود و منکر سے جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں ہے ترقی کر کے اس ضعیف کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے جس پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔

"وعلیٰ مثل هذا ینبغی ان یحمل ان لحوق الضعیف بالضعیف لایفید قوة الخ"

یعنی حضرات محدثین کا مذکورہ قول مطلق نہیں ہے بلکہ ان ضعیف حدیثوں کے بارے میں ہے جو متروک و منکر ہیں کہ کثرت طرق سے یہ دائرۂ ضعیف سے خارج نہیں ہوں گی جن کا ضعف قلیل ہے وہ اس قول سے خارج ہیں کیونکہ قلیل الضعف حدیثیں کثرت طرق سے حسن ہو جاتی ہیں اس لئے علی الاطلاق یہ قول درست نہیں ہے۔

الفصل العاشر
في
ترجيح البُخَارِيّ ومَراتِبِ الصِّحَاحِ

صَحيحُ البخارى أعلىٰ الصِّحاح: لمَّا تَفاوتَت مَراتِبُ الصَّحيحِ، والصِحاحُ بَعضُهَا أصحُّ مِنْ بَعضٍ فَاعْلَمْ أنّ الذى تقرر عِنْدَ جُمْهُورِ المحَدثين أنّ صحيح البخارى مُقدَّمٌ علىٰ سائر الكُتُبِ المصنَّفةِ حتى قالُوا أصَحُّ الكتبِ بعدَ كتابِ الله صَحيحُ البُخاريُ.

ترجيحُ صحيح مسلم عند البعض: وبَعضُ المغَاربةِ رَجحُوا صَحيحَ مُسلِم علىٰ صَحيحِ البخارى، والجُمهورُ يَقولُونَ :إنّ هذا يَرجعُ إلىٰ حُسنِ البَيانِ وَجودةِ الوَضعِ والترتيبِ، وَرعَايةِ دقَائقِ الإشَارَاتِ وَمَحَاسِنِ النكاتِ فِى الأسَانيدِ وَهذا خَارجٌ عن المَبحَثِ وَالكَلاَمُ فى الصِّحَةِ والقُوَّةِ وَمَا يَتعَلَّقُ بِهمَا وَلَيسَ كِتَابٌ يُساوِىْ صَحِيْحَ البُخَارى فى هَذَا البَابِ بِدَلِيْلِ كَمَالِ الصِفَاتِ الَتِى اعتُبِرَتْ فى الصِّحَةِ فِى رِجَالِه.

وَبَعضُهم تَوقَّفَ فِى تَرجِيحِ أحَدِهِمَا عَلى الآخَرِ وَالحَقُّ هو الأوّلُ.

المتفقُ عليه: والحديثُ الذى اتّفَقَ البخارىُ وَمُسلِمٌ على

تخريجه يسمّىٰ متّفقاً عليه، وقال الشّيخ :بشرط أن يكون عن صحابيّ واحد.

عـــدد الاحاديث المتــفـــق عليها: وقالوا مجموع الأحاديث المتّفق عليها ألفان وثلثمائة وستّة وعشرون:

درجــات الصحـــاح: وبالجملة (١) ماتّفق عليه الشّيخان مقدّم علىٰ غيره (٢) ثم ما تفرّد به البخارى (٣) ثمّ ما تفرّد به مسلم(٤) ثمّ ما كان علىٰ شرط البخارى ومسلم (٥) ثمّ ما هو على شرط البخارى(٦) ثمّ ماهوعلى شرط مسلم (٧) ثم ما هو رواه غيرهم(١) من الأئمة الذين التزموا الصّحّة وصحّحوه، فالأقسام سبعة.

المرادبشرط البخارى ومسلم: والمراد بشرط البخارى ومسلم أن يكون الرجال متّصفين بالصّفات الّتى يتصف بها رجال البخارى ومسلم من الضّبط والعدالة وعدم الشذوذ والنكارة والغفلة

وقيل:المراد بشرط البخارى ومسلم رجالهما أنفسهم والكلام فى هذا طويل ذكرناه فى مقدّمة شرح سفر السعادة.

. كذا فى النسخة المطبوعة مع اللمعات والمشكوة، والصحيح غيرهما بالتثنية كما هو ظاهر.

دسویں فصل

صحیح بخاری کی فوقیت اور احادیث صحیحہ کے درجات میں

صحیح بخاری کی فوقیت: جب صحیح احادیث کے درجات میں باہم فرق و تفاوت ہے اور بعض صحیح حدیثیں بعض سے زیادہ صحیح ہیں تو یہ بھی جان لیجئے کہ محدثین کے نزدیک یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ "صحیح بخاری" حدیث کی جملہ مصنفات پر درجہ میں مقدم ہے حتی کہ محدثین کا یہ قول ہے کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری" کتاب اللہ "قرآن مجید" کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے

صحیح مسلم کی فوقیت کا قول: بعض علماء مغرب (اسپین) نے صحیح بخاری پر مسلم کو ترجیح دی ہے (جسکے متعلق) جمہور کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی یہ ترجیح احادیث کے حسن بیان، وضع ترتیب کی خوبی اور سندوں میں بہترین نکات اور باریک اشارات کی رعایت کے اعتبار سے ہے اور یہ امور صحت و قوت کی بحث سے خارج ہیں اور گفتگو صحت و قوت اور ان کے متعلقات میں ہے۔ صحت و قوت کے لحاظ سے صحیح بخاری کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں ہے بایں دلیل کہ صحت صحیح میں جن صفات کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ رجال بخاری میں (بمقابلہ دیگر کتب) بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔

اور بعض محدثین نے صحیحین کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے سے توقف اختیار کیا ہے — حق اور صحیح قول اول ہے۔

متفق علیہ کی اصطلاح: جس حدیث کی تخریج میں امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں تو اسے متفق علیہ کہا جاتا ہے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فرمایا بایں شرط کہ (دونوں کی تخریج میں متن کے راوی) ایک صحابی ہوں
محدثین نے بیان کیا ہے کہ متفق علیہ احادیث کی کل تعداد دو ہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) ہے

احادیث صحیحہ کے درجات: حاصل کلام یہ ہے کہ

(۱) متفق علیہ احادیث غیر متفق علیہ پر درجہ میں مقدم ہیں، (۲) پھر صحیح بخاری کی منفرد روایتوں کا درجہ ہے، (۳) پھر صحیح مسلم کی منفرد حدیثوں کا درجہ ہے، (۴) پھر ان حدیثوں کا درجہ ہے جو شیخین کی شرط پر ہوں (۵) پھر ان کا درجہ ہے جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں (۶) پھر ان کا درجہ ہے جو مسلم کی شرط پر ہوں (۷) پھر ان حدیثوں کا درجہ ہے جنہیں بخاری و مسلم کے علاوہ صحت کا التزام کرنے والے دیگر ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہے اور ان کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ پس (اس ترتیب کے اعتبار سے صحاح کی) سات قسمیں ہیں۔

شرط بخاری و مسلم کی مراد: بخاری و مسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ رجال سند ان صفات کے حامل ہوں جن صفات سے بخاری و مسلم کے رجال متصف ہیں مثلاً کمال عدالت و ضبط (سے متصف) اور شذوذ، نکارت اور غفلت سے بری ہونے میں جس درجہ پر بخاری و مسلم کے رجال ہوں اسی درجہ کے رجال کسی اور حدیث میں موجود ہوں تو اسے علی شرط الشیخین کہیں گے۔

اور کہا گیا ہے کہ شرط بخاری و مسلم سے مراد یہ ہے کہ (کسی حدیث کے) رجال سند خود وہی ہوں جن سے امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں روایت کی ہے اس سلسلہ میں کلام طویل ہے جسے ہم نے (شرح سفر السعادۃ) میں ذکر کیا ہے

تشریح: (الف) صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک دوسرے پر ترجیح میں چار اقوال ہیں چنانچہ محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"محصل اقوال دریں باب سہ است، ترجیح صحیح بخاری بر صحیح مسلم، و عکس، و تساوی، سخاوی گفتہ قول رابع توقف است و مشہور نزد جمہور قول اول ست" (۱)

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں: ۱۔ صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح، ۲۔ صحیح

---

(۱) شرح سفر السعادۃ ص ۱۳

مسلم کی صحیح بخاری پر ترجیح، ۳۔ دونوں کا درجہ برابر ہے اور حافظ سخاوی نے بیان کیا کہ چوتھا قول توقف کا ہے۔

(ب) متفق علیہ احادیث کی تعداد محدث دہلویؒ نے دو ہزار تین سو چھبیس بیان کی ہے اور کتاب " اللؤلؤ والمرجان فيما اتفق عليه الشيخان" میں یہ تعداد ایک ہزار نو سو چھ (۱۹۰۶) بیان کی گئی ہے اور یہ قول زیادہ محقق ہے (واللہ اعلم)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث جیسے ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوعبداللہ حاکم، ابن جارود، ضیاء الدین مقدسی وغیرہ نے بھی صحت کی شرط و التزام کے ساتھ حدیث کی کتابیں مرتب کی ہیں اور ان میں اپنے علم کے مطابق صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں صحت کی شرط و التزام کے ساتھ مرتب کی گئیں ان کتابوں کو "صحاح مجردہ" کہا جاتا ہے۔ اور باعتبار صحت کے یہ حدیث کی طبقہ اولیٰ کی کتابیں ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ اور ائمہ حدیث نے یہ التزام کیا ہے کہ ان کی کتاب میں "حسن" سے کم درجہ کی کوئی حدیث نہ آئے اور اگر کوئی ضعیف حدیث آگئی ہے تو اس کے ضعف پر تنبیہ کردی ہے۔ سنن نسائی، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور بقول بعض سنن دارمی اسی طرح کی کتابیں ہیں اور صحت کے اعتبار سے یہ درجۂ ثانیہ میں شمار کی جاتی ہیں۔

حافظ ابن صلاح نے کتب صحاح مجردہ (باستثناء مستدرک للامام الحاکم) کے متعلق لکھا ہے کہ ان کتابوں میں کسی امام حدیث کی محض تخریج ہی اسکی صحت کے لئے کافی ہے۔ اور دوسرے طبقہ کی کتابوں کے بارے میں یہ قید لگائی ہے کہ جب ان کے مصنفین کسی حدیث کی صراحتاً تصحیح کردیں تب وہ صحیح مانی جائے گی محض ان کتابوں میں آجانا اسکی صحت کے لئے کافی نہ ہوگا (۱)

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: ثم ان الزيادة فى الصحيح على ما فى الكتابين يتلقاها طالبها اشتمل عليه احد المصنفات المعتمدة الشهورة لائمة الحديث كابى داؤد السجستانى وابى عيسىٰ الترمذى وابى عبدالرحمٰن النسائى—— وابى الحسن الدارقطنى وغيرهم منصوصا على صحته فيها ولا يكفى فى ذلك مجرد كونه موجودا فى كتاب ابى داؤد وكتاب الترمذى وكتاب النسائى وسائر من جمع فى كتابه الصحيح وغيره۔

ويكفى مجرد كونه موجودا فى كتب من اشترط منهم الصحيح فيما جمعه ككتاب ابن خزيمة وكذلك ما يوجد فى الكتب المخرجة على كتاب البخارى وكتاب مسلم ككتاب ابى عوانة الخ ص۹ مطبوعة دار العلوم ديوبند

محدث دہلوی کی عبارت " الذین التزموا الصحة وصححوه " سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک پہلے طبقہ کی حدیثوں کا بھی یہی حکم ہے کہ محض ان کتابوں میں کسی حدیث کی تخریج اس کی صحت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ صاحب کتاب کی جانب سے اس کی تصحیح بھی ضروری ہے۔

چونکہ صحیحین کے علاوہ دیگر صحاح مجردہ کم و بیش ضعیف حدیثوں سے خالی نہیں ہیں اس لئے حافظ ابن صلاحؒ کے مقابلہ میں محدث دہلویؒ کے قول میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے۔ لیکن اس قول کی بنیاد حافظ ابن الصلاح کی اس رائے پر ہے کہ متقدمین کے بعد کسی کو حدیث کی تصحیح و تضعیف کا حق نہیں ہے بس متقدمین کی تصحیح و تضعیف پر اعتماد کیا جائے گا جبکہ متاخرین محدثین نے حافظ ابن الصلاح کی اس رائے کو قبول نہیں کیا ہے۔ تفصیل کے لئے النکت علی ابن الصلاح کو دیکھا جائے۔

شرط البخاری ومسلم کی مراد سے متعلق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادہ میں جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان کا حاصل یہ ہے:

"شرط بخاری ومسلم کے بارے میں بعض حضرات قائل ہیں کہ اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کو ان دونوں حضرات نے خاص کیفیت کے ساتھ اسناد کے رجال میں ملحوظ رکھا اور ان کا التزام کیا ہے جیسے کمال ضبط و عدالت اور عدم شذوذ و نکارت تو جو حدیث بخاری ومسلم دونوں یا ایک کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے علی شرط البخاری ومسلم یا علی شرط احدھما کہیں گے۔

اور حافظ سخاوی نے امام نووی، محقق ابن دقیق العید اور علامہ شمنّی سے نقل کیا ہے کہ: شرط بخاری ومسلم سے مراد ان کی صحیحین کی اسانید کے رجال ہیں تو جس حدیث کی سند میں صحیحین کے رجال ہوں گے اسے صحیح علی شرطھما اور جسکی سند ان میں سے کسی ایک کے رجال پر مشتمل ہوگی اسے علی شرط البخاری یا علی شرط مسلم کہیں گے۔

علی شرط البخاری ومسلم کا یہ معنی حافظ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ (کتاب علوم الحدیث) میں بیان کیا ہے بعد کے علماء نے انہیں کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ صاحب مستدرک امام حاکم جب کوئی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں جو ان کے خیال میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رواۃ پر مشتمل ہوتی ہے تو اسکے بارے میں " صحیح علی

شرطھما" کا جملہ استعمال کرتے ہیں اور اگر کسی حدیث کی پوری سند میں یا سند کے کسی طبقہ میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے رواۃ نہیں ہوتے ہیں تو اس وقت "صحیح الاسناد" کہتے ہیں۔ مثلاً امام حاکم نے مستدرک میں ایک حدیث "ابو عثمان" سے روایت کی اور اس کے متعلق کہا "صحیح الاسناد" کیونکہ یہ ابو عثمان نہدی نہیں ہیں۔ اگر نہدی ہوتے تو میں اسے علی شرطھما کہتا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے بھی شرح نخبہ میں علی شرطھما کا یہی معنی لیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "لان المراد به رواتھما" کیونکہ شرط الشیخین سے مراد انکے رواۃ ہیں"

حافظ سخاویؒ نے بھی شرح الفیہ (فتح المغیث) میں اسی معنی کی توثیق و تائید کی ہے لیکن اس معنی کے لحاظ سے لازم آتا ہے کہ دیگر کتابوں کی جو حدیث علی شرط الشیخین ہو وہ امام بخاری وامام مسلم کی تنہا تنہا روایت کردہ احادیث بلکہ متفق علیہ سے درجہ میں کم نہ ہو کیونکہ جب خاص انہیں کے رجال سے مروی ہے تو درجہ میں انھیں کی حدیث کی مانند ہوگی۔

البتہ اگر علی شرط البخاری ومسلم سے ان کی ملحوظ صفات لی جائیں تو اس صورت میں اس حدیث کا درجہ احادیث بخاری ومسلم سے کم مانا جاسکتا ہے کیونکہ دیگر ائمہ حدیث کی تمیز و تحقیق حضرات شیخین کے ہم پایہ نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ انہیں اشتباہ ہوگیا ہو اور کم درجہ کی صفات کو شیخین کی لحاظ کردہ صفات کے ہم درجہ سمجھ لیا ہو۔ لیکن جب سند میں بعینہٖ صحیحین کے رواۃ ہوں تو پھر درجے میں تفاوت کیونکر ہوسکتا ہے۔

حافظ سخاوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ علماء کی تلقی بالقبول چونکہ شیخین کی احادیث کو حاصل ہے اس بناء پر ان کی احادیث کا درجہ انہیں کے رجال سے مروی دیگر احادیث سے راجح اور فائق ہوگا۔ یعنی دوسری کتابوں کی احادیث اگرچہ بعینہٖ رجال بخاری ومسلم پر مشتمل ہوں لیکن تلقی بالقبول حاصل نہ ہونے کی بناء پر صحیحین کے درجہ کو نہیں پہنچیں گی۔ لیکن تلقی بالقبول صحیحین کے مجموعہ کو حاصل ہے الگ الگ ہر حدیث کو یہ تلقی حاصل نہیں اس لئے اشکال بحالہ قائم ہے (۱)

---

۱ شرح السعادۃ ص ۱۳

الفَصْلُ الحَادى عَشرَ
فى
ان البخارى ومسلم لم يستوعبا الصحاح

الصحيحان منحصران فى الصحاح: اَلاَحَاديثُ الصَّحِيْحَةُ لَمْ تَنْحَصِرْ فى صَحِيْحَىِ البُخارِى ومسلم وَلَمْ يَسْتَوعِبا الصِحَاحَ كُلَّها بَل هُمَا مُنْحَصِرَانِ فى الصِحَاحِ ، والصِحَاحُ الَّتِى عِندَهما، وعلى شرطهما أيضا لم يورداها فى كتابيهما فضلا عما عند غيرهما قَالَ البُخارى: وما اَوْرَدتُ فى كتابى هٰذا اِلاَّ ما صَحَّ وَلَقَد تَرَكْتُ كثيرًا مِن الصِحَاحِ وَقَالَ مسلمٌ: وَالَّذِى اوردتُ فى هٰذا الكتابِ مِنَ الاَحَادِيثِ صحيحٌ، ولا اَقُولُ اِنَّ مَا تَرَكْتُ ضَعيفٌ"

وَلا بُدَّ اَنْ يَكونَ فى هٰذالتَركِ وَالاِتْيانِ وَجْهُ تَخْصِيْصِ الاِيرادِ وَالتَّرْكِ اِمَّا مِنْ جِهَةِ الصِحَّةِ اومِنْ جِهَةِ مَقَاصِدَ اُخَرَ والحَاكِمُ ابو عبدالله النَيْسَابُورِىُّ صَنَّف كِتَابًاسَمَّاه "المُسْتَدْرَكْ" بِمَعْنٰى اَنَّ مَاتَرَكَهُ البُخارى ومسلمٌ مِنَ الصِحَاحِ اَوْرَدَه فِى هٰذا الكتابِ وَتَلافىٰ وَاسْتَدْرَكَ، بَعضُها على شَرْطِ الشَيْخين وبعضها على شرطِ اَحَدِهما وبعضُها على غَيرِ شَرْطِهما وَقَالَ: ان البُخارى

ومسلمًا لمْ يحكمَا بانَّه ليسَ أحاديثُ صحيحةٌ غيرَ ماخرَّ جاه فى هذين الكتابين۔

الطعن بقلّةِ الاَحاديثِ الصَّحيحَةِ وردُّهٗ: وقالَ: وقد حدثَ فى عصرنا هٰذا فرقةٌ من المُبتَدِعةِ، أطَالوُا ألسِنَتهم بالطعن علىٰ أئمةِ الدين بأنْ مَجمُوعَ مَا صحّ عِندَكم مِن الاَحاديثِ لَمْ يَبْلُغْ زُهَاءَ عشرَةِ آلافٍ، ونُقِلَ عَنِ البُخارى انه قال: حَفِظتُ مِنَ الصحَاحِ مأةَ ألفِ حديثٍ ومِن غيرِ الصحاح مِأتَىْ ألفٍ"

والظاهرُ والله أعْلَمُ أنَّه يُريدُ الصَحِيحَ على شرْطِه۔ ومَبْلَغُ مَا أوْرَدَه فى هذا الكتاب مَعَ التكرار سَبْعَةُ آلافٍ ومائتانِ وخمسةٌ وسبعُونَ حَديثًا وبَعد حَذْفِ التكرارِ أربعةُ آلافٍ۔

صحيح ابن خزَيمَةَ: ولقد صنَّفَ آخرونَ مِنْ الائمةِ صِحاحًا مِثْلَ صَحِيحِ ابنِ خُزَيمَةَ الذى يقَالَ لهُ إمَامُ الائمَةِ وهو شيخُ ابن حِبَّان وقال ابن حِبَّانَ فى مَدْحِه : مَارَأيتُ علىٰ وَجْهِ الاَرْضِ أحَدًا أحْسَنَ فى صِنَاعَةِ السُنَنِ وأحْفَظَ للألفاظِ الصَحِيحَةِ منه كأنَّ السنَنَ والاحاديثَ كلَّهَا نَصْبُ عَينِه۔

صحيح ابن حبان: ومِثلُ صَحيحِ ابنِ حِبَّان تِلْمِيذِ ابنِ خُزَيْمة، ثقةٌ، ثَبتٌ، فَاضلٌ، امامٌ، فهَّامٌ، وقال الحاكم: كان ابنُ حِبَّان مِن أوعِيَةِ العلم فى الفقه والحديثِ والوَعظِ وكان مِن عُقَلاءِ الرِّجَالِ۔(۱)

صحيح الحاكم(المستـــــدرك): ومِثْلُ صحيحِ الحاكم ابى عبدالله النَيسابُورى الحافِظِ الثقَةِ المسمّٰى با"لمستَدْرَك" وقد

۱۔ وفى النسخة المطبوعة مع اللمعات والمشكوٰة " واللغة" وهو تصحيف من "الفقه" بدليل ان المحدث الدهلوى قال فى مقدمة اشعة اللمعات"بود وے اوعية العلم درفقه وحديث الخ

اى كان ابن حبان اوعية العلم فى الفقه والحديث۔

تَطَرّقَ فِی کتابِہ ھٰذا التَّسَاھُلُ وَأَخَذُوا علیہِ وقَالوا ابنُ خُزَیْمة وابنُ حِبَّان أَمْکَنُ وأقوىٰ من الحاکِمِ وَأَحْسَنُ وَأَلْطَفُ فی الاسَانِیدِ والمتونِ

المختارة للمقدسی: وَمِثْلُ المُخْتَارَةِ لِلحَافِظِ ضیاء الدین المقْدِسِی وھو ایضاً خَرَّجَ صِحاحاً لَیستْ فی الصَّحِیْحَیْنِ وقَالوا: کتابُہ أحْسنُ من المستدرک۔

ومِثلُ صحیح ابنِ عوانة وابنِ السّکنِ، والمنتقىٰ لِابْنِ جَارُودِ وھٰذہ الکتب کُلُّھا مَختصَّةٌ بِا الصّحاحِ ولکن جَماعَة انتقدُوا عَلیھا تَعَصُّباً او انصافاً وَفَوْقَ کُلِّ ذی علمٍ عَلِیمٌ واللہ أعلمُ۔

گیارہویں فصل

امام بخاری و امام مسلم نے تمام صحیح حدیثوں کا استیعاب نہیں کیا ہے

صحیح حدیثیں امام بخاری و امام مسلمؒ کی صحیحین میں منحصر نہیں ہیں اور نہ ان دونوں حضرات نے تمام صحیح حدیثوں کا استیعاب کیا ہے البتہ یہ دونوں کتابیں صحیح حدیثوں میں منحصر ہیں۔ اور بہت سی وہ حدیثیں جو ان دونوں حضرات کی اپنی شرط کے مطابق صحیح تھیں انہیں بھی صحیحین میں نہیں لائے ہیں پھر دوسروں کی شرط کے مطابق صحیح حدیثوں کے لانے کی کیا گنجائش ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو ترک کر دیا ہے اور امام مسلمؒ فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب میں جن حدیثوں کی تخریج کی ہے وہ صحیح ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے ترک کر دیا ہے وہ ضعیف ہیں۔

اس اخذ و ترک (یعنی صحیحین میں روایت کرنے اور روایت نہ کرنے) کی ضرور کوئی وجہ تخصیص ہو گی خواہ یہ وجہ حدیث کی صحت ہو یا دیگر مقاصد ہوں اور امام حاکم نیشاپوریؒ نے "المستدرک" نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا حاصل مقصود یہ ہے کہ شیخین نے جن صحیح حدیثوں کو ترک کر دیا ہے انہیں اس کتاب میں بیان کیا اور فوت شدہ کی تلافی کی ہے ان مستدرک حدیثوں میں سے بعض امام بخاری و امام

مسلم کی شرائط کے مطابق ہیں اور بعض کسی ایک کی شرط پر ہیں اور بعض دیگر ائمہ حدیث کی شرائط کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

امام حاکم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ شیخین نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی تخریج صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کی گئی ہے۔

قلتِ صحاح کا طعنہ اور اس کا رد: امام حاکم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بدعتیوں کا ایک نوپید گروہ ائمہ دین کی شان میں زبان درازی کرتا ہے کہ ان احادیث کا مجموعہ جو تمہارے نزدیک صحیح ہے ان کی تعداد دس ہزار کے قریب بھی نہیں پہنچتی حالانکہ امام بخاری سے نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: "مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں" (مبتدعین کے اس اعتراض کی بنیاد یہی تھی کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں صحیح حدیثیں نہیں ہیں جب کہ ان کی یہ بنیاد ہی غلط ہے جیسا کہ خود امام بخاری و امام مسلم کے اقوال سے ظاہر ہے)

امام بخاریؒ نے صحیح کی جو تعداد (یعنی ایک لاکھ) بتائی ہے اس سے مراد بظاہر وہ احادیث ہیں جو ان کی شرط کے مطابق صحیح ہیں (واللہ اعلم)

اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں جو حدیثیں ذکر کی ہیں تکرار کے ساتھ ان کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے (۷۲۷۵) ہے اور بحذف تکرار چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں۔

امام بخاری و امام مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی کتب صحاح مرتب کی ہیں جیسے "صحیح ابن خزیمہ" انہیں امام الائمہ کہا جاتا ہے، یہ امام ابن حبان کے شیخ ہیں ابن حبان نے ان کی توصیف میں لکھا ہے کہ: "میں نے روئے زمین پر کسی کو نہیں دیکھا جو فن علم حدیث میں ان سے بہتر اور صحیح الفاظ کے یاد رکھنے میں ان سے بڑھ کر ہو گویا کہ تمام سنن واحادیث ان کی نظروں کے سامنے ہیں"

اور جیسے "صحیح ابن حبان" تلمیذ امام ابن خزیمہ، یہ ثقہ، ثبت، فاضل، امام اور فہام تھے، امام حاکم نے ان کی شان میں لکھا ہے کہ: یہ فقہ، حدیث، وعظ میں علم کے برتن اور سنتدائے رجال میں سے تھے۔

اور جیسے صحیح حاکم موسوم بہ المستدرک، ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری، حافظ و ثقہ تھے، ان کی کتاب میں ان سے تساہل ہو گیا ہے اور محدثین نے اس پر ان کی گرفت کی

اور کہا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان حاکم سے زیادہ قوی اور قابو یافتہ ہیں اور ان کی اسانید و متون حاکم کی اسانید و متون سے زیادہ بہتر اور لطیف و پاکیزہ ہیں۔

اور جیسے ضیاء الدین مقدسی کی "المختارہ" انہوں نے بھی صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں اور محدثین نے کہا ہے کہ مقدسی کی کتاب حاکم کی مستدرک سے بہتر ہے۔

اور جیسے صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن السکن اور منتقیٰ ابن جارود یہ مذکورہ ساری کتابیں صحاح کے ساتھ مختص ہیں لیکن محدثین کی ایک جماعت نے ان پر از راہ تعصب یا از روئے انصاف نقد و تبصرہ کیا ہے "وفوق کل ذی علم علیم"۔

تشریح: الاحادیث الصحیحة لم تنحصر فی صحیحَی البخاری ومسلم ولم یستوعبا الصحاح الخ۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تمام صحیح حدیثیں صحیحین میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک بڑا حصہ دیگر کتب صحاح وغیرہ میں پایا جاتا ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ صحیحین میں جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، چنانچہ حافظ حازمی نے بسند متصل امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے: "لم اخرج فی هذاالکتاب الا صحیحا وماترکت من الصحیح اکثر"(۱) میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیثیں نقل کی ہیں اور جس قدر صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا: "ما ادخلت فی کتابی الجامع الا ما صحّ وترکت من الصحیح حتی لایطول"(۲) میں نے اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں صرف صحیح احادیث نقل کی ہیں اور بہت ساری صحیح حدیثیں چھوڑ دیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ کیونکہ ان کے پیش نظر تمام احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں بلکہ صحیح حدیثوں کا مجموعہ تیار کرنا تھا(۳)

اسی طرح امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں امام مسلم کی مجلس کے حاضر

---

۱. شروط الائمة الخمسة ص: ۲۱،

۲. هدی الساری ص: ۷

۳. شروط الائمة الخمسة ص:۲۱

باش سعید بن عمرو کے حوالہ سے امام مسلم کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اخرجت هذا الكتاب وقلت وهو صحاح ولم اقل ان مالم اخرجه من الحديث فى هذا الكتاب فهو ضعيف انى اخرجت هذا الحديث من الصحيح ليكون مجموعة عندى وعند من يكتبه عنى۔(۱) میں نے اس کتاب کی تخریج کر کے اسے صحیح کہا ہے، یہ نہیں کہا ہے کہ جو حدیث اس کتاب میں روایت نہ کروں وہ ضعیف ہے میں نے صحیح حدیثوں پر مشتمل اس کتاب کی تدوین اس لئے کی ہے تاکہ (صحیح حدیثوں کا) ایک مجموعہ میرے اور میرے تلامذہ کے پاس موجود رہے۔

حضرات شیخین کے ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد تمام صحیح حدیثوں کا استیعاب واستحصاء نہیں بلکہ صحیح احادیث کا ایک مختصر مجموعہ تیار کرنا تھا۔ اس تفصیل کے پیش نظر محدث دہلوی کا یہ قول: ولا بدان يكون فى هذا الترك والاتيان وجه تخصيص الا يراد والترك من جهة الصحة او من جهة مقاصد اخر" بظاہر محل نظر ہے کیونکہ جب امام بخاری خود تصریح فرمارہے ہیں کہ "میں نے بہت ساری حدیثیں اس لئے ترک کردیں کہ "لايطول" کتاب دراز نہ ہو جائے۔ اور امام مسلم خود وضاحت فرمارہے ہیں کہ صحیح احادیث کا ایک مجموعہ تیار کرنے کی غرض سے یہ کتاب مرتب کی ہے تو پھر من جهة الصحة اومن جهة مقاصد اخر" جیسے احتمالات کی گنجائش ہی کہاں رہی دراصل امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم (۲) میں اس طرح کے چند احتمالات نہ جانے کس بنیاد پر ذکر کئے ہیں انھیں کا خلاصہ محدث دہلوی نے یہاں اپنے الفاظ میں پیش کردیا ہے بظاہر یہ احتمالات بے موقع ہیں (واللہ اعلم)

محدث دہلوی نے صحیح بخاری کی جملہ مرویات کی تعداد مع تکرار سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) اور بحذف تکرار چار ہزار (۴۰۰۰) بتائی ہے حافظ ابن صلاح (۳) اور ان کی اتباع میں دیگر محدثین عام طور پر یہی تعداد بیان کرتے ہیں لیکن

---

۱. المقدمة للامام النووى على شرح مسلم ص ۱۶

۲. مقدمه شرح مسلم ص ۲۶ (۳) مقدمه ابن الصلاح ص ۹۔

حافظ ابن حجر نے پوری تفتیش و تحقیق کے بعد صحیح بخاری کی جملہ مرویات (باستثناء موقوفات و مقطوعات) تکررات معلقات اور متابعات کو ملا کر نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) اور بحذف تکرار دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) شمار کی ہے(۱) اور اسی تعداد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اور صحیح مسلم کی کل احادیث مع تکرار دس ہزار کے قریب ہیں اور بحذف تکرار تین ہزار تیس (۲) اور بحسب تحقیق شیخ محمد فواد عبد الباقی تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) ہیں۔

۱۔ **تعارف صحیح ابن خزیمہ**: الحافظ الکبیر، الثبت، امام الائمہ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ نیشاپوری کی مشہور تصنیف ہے۔ صحت کے اعتبار سے اس کو "صحیح ابن حبان" پر فوقیت دی گئی ہے۔ پھر بھی حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ "صحیح ابن خزیمہ کی تمام حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔

حافظ ابن فہد مالکی نے "لحظ الالحاظ فی طبقات الحفاظ" میں حافظ ابن حجر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کا تین چوتھائی حصہ حافظ ابن حجر کے وقت سے پہلے نایاب ہو چکا تھا صرف ایک ربع ملتا تھا اور حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں یہ چوتھائی حصہ بھی انتہائی نایاب ہے۔ اب حال میں استنبول کے ایک کتب خانہ میں اسکا ایک قلمی نسخہ دریافت ہوا ہے جسے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر دیا ہے جو باب "اباحۃ العمرۃ قبل الحج" تک ہے بقیہ کتاب ناپید ہے۔

تعارف مصنف: امام الائمہ ابن خزیمہ ۲۲۳ھ ۸۳۸ء میں پیدا ہوئے، عراق، شام، جزیرہ، مصر وغیرہ کے مشائخ سے حدیث کی روایت کی امام سبکی نے انھیں امام الائمہ کا لقب دیا بعد میں اسی لقب سے محدثین میں معروف ہوئے، ابو علی نیشاپوری اور امام دار قطنی نے لکھا ہے یہ اپنے عہد میں عدیم النظیر تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے بھی ان سے (غیر صحیحین میں) روایت کی ہے۔ ایک سو چالیس

۱۔ ھدی الساری ص ٦٥-٦٥٣ - ٦٦٢ طبعۃ جدیدۃ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

۲۔ المختصر الوجیز فی علوم الحدیث للشیخ محمد عجاج الخطیب ص ۱۳٤ وصحیح مسلم بتحقیق فواد عبد الباقی ج٥ ص ٦٠١۔

سے زائد کتابیں تصنیف کیں ۱۱۳۲ھ ۱۹۲۴ء میں وفات پائی۔(۱)

۲۔ تعارف صحیح ابن حِبّان: یہ حافظ الحدیث ابو حاتم محمد بن حبّان المعروف بہ ابن حبّان کی گرانقدر تالیف ہے جسے انھوں نے عام محدثین کے طرز سے ہٹ کر نہایت عجیب طریقہ پر مرتب کیا ہے جو نہ تو فقہی ابواب پر ہے اور نہ مسانید کی ترتیب پر بلکہ اسے انواع واقسام کی ترتیب پر مرتب کیا ہے مثلاً کہتے ہیں "النوع السادس والاربعون من القسم الثانی فی النواهی" اس ترتیب جدید کی بناء پر اس سے استفادہ دشوار ہو گیا ہے اپنی اس خاص ترتیب کی وجہ سے یہ کتاب "التقاسیم والانواع" کے نام سے موسوم ہے محدث امیر علاء الدین ابوالحسن علی فارسی حنفی متوفی ۷۳۹ھ نے اس کو ابواب فقہ پر مرتب کیا تھا اور اس کا نام "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" رکھا تھا جس کی جلد اول محقق احمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ دار المعارف قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔(۲)

چونکہ تصحیح کے معاملہ میں امام ابن حبّان کی شرائط دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں نرم ہیں اس لئے "حسن" بلکہ "ضعیف" احادیث بھی انکی شرائط کے تحت صحیح کی تعریف میں آجاتی ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو اگرچہ حاکم کی "المستدرک" پر فوقیت حاصل ہے لیکن دیگر صحاح مجردہ کے ہم پایہ نہیں(۳)

تعارف مصنف: الحافظ المورخ العلامہ ابو حاتم محمد بن حبّان بن احمد بن حبّان بن معاذ بن معبد تمیمی بُستی معروف بہ ابن حِبّان متوفی ۳۵۴ھ ۹۶۵ء کو ابن خزیمہ، امام نسائی، ابو یعلی موصلی، حسن بن سفیان جیسے اکابر محدثین سے شرف تلمذ حاصل ہے اپنے عہد کے زبردست محدث اور ادیب وفقیہ تھے، "المسند الصحیح" کے علاوہ "معرفة المجروحين من المحدثين" الضعفاء والمجروحين" كتاب الثقات وغیرہ فن حدیث، تاریخ، ادب وغیرہ میں بہت ساری کتابیں ان کی علمی یادگار ہیں۔(۴)

۱۔ الاعلام للزرکلی ج۶ ص ۲۹ والرسالة المستطرفہ ص۱۸، مقدمہ درس ترمذی ازمولانا محمد تقی عثمانی ص۶۷ (۲) الرسالہ المستطرفہ ص ۱۹

۳۔ درس ترمذی مولانا محمد تقی عثمانی ج۱ ص۴۷ (۴) بستان المحدثین مع ترجمہ اردو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ص۱۰۱ الاعلام ج۶ ص۷۸ الرسالة المستطرفة، ص:۱۹

تعارف صحیح الحاکم (المستدرك): حافظ الحدیث محمد بن عبداللہ نیشاپوری معروف بہ حاکم کی مشہور کتاب ہے جس میں موصوف نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام بخاری وامام مسلم کی شرط پر یا دیگر ائمہ کی شرط پر صحیح تھیں اور انھوں نے ان حدیثوں کو چھوڑ دیا تھا لیکن امام حاکم تصحیح حدیث کے معاملہ میں بڑے متساہل ہیں۔ انھوں نے نہ صرف "ضعیف ومنکر" بلکہ "موضوع" احادیث تک کو صحیح قرار دے دیا ہے۔ جس کی بناء پر ابوسعید مالینی نے یہ کہہ دیا کہ "مستدرک حاکم" میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن ان کی یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سی احادیث علی شرط الشیخین صحیح ہیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی جو حاکم کے سب سے بڑے نقاد ہیں ان کا قول علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے کہ مستدرک کی تقریباً نصف احادیث تو بیشک شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہیں اور ایک ربع ایسی ہیں جن کے رجال قابل استدلال ہیں لیکن ان میں کوئی علت پائی جاتی ہے ایسی احادیث کی تعداد دو سو یا اس سے کچھ اوپر ہے ان پر عمل کرنا مناسب نہیں اور باقی ایک چوتھائی انتہائی ضعیف، منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔(۱)

امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے مستدرک کی تلخیص کی ہے اور جابجا حاکم پر سخت تعقبات کئے ہیں۔ مستدرک حاکم تلخیص ذہبی کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے پہلی بار ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔

تعارف صاحب مستدرك: الحافظ الکبیر امام المحدثین فی عصرہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ الضبی النیشاپوری جو الحاکم اور ابن البیع (بروزن ابن القیم) سے مشہور ہیں ۳۲۱ھ ۹۳۲ء میں اپنے آبائی وطن نیشاپور میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے لئے بلاد اسلام کا سفر کیا اور تقریباً دو ہزار شیوخ سے اخذ واستفادہ کیا اور خود ان سے دار قطنی، ابوذر ہروی، ابو یعلی خلیلی، ابو القاسم قشیری اور بیہقی وغیرہ اکابر محدثین نے روایت حدیث کی ہے ایک مدت تک نیشاپور کی مسند قضا پر فائز رہے

(۱) الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۲ و مقدمہ درس ترمذی ص ۶۴ از مولانا محمد تقی عثمانی

جس کی بناء پر "الحاکم" سے مشہور ہو گئے۔ مستدرک کے علاوہ تاریخ نیشاپور، الاکلیل، المدخل اور معرفۃ علوم الحدیث ان کی مشہور تصانیف ہیں ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں وفات پائی۔(۱)

تعارف المختارہ للمقدسی: علامہ محمد بن جعفر کتانی متوفی ۱۳۴۵ھ نے اس کا مکمل نام یوں لکھا ہے الاحادیث الجیاد المختارۃ مما لیس فی الصحیحین او احدھما حافظ مقدسی نے اس اہم کتاب کو حروف تہجی کے لحاظ سے صحابہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے لیکن موصوف اسے مکمل نہ کر سکے علامہ ابن تیمیہ، امام زرکشی اور محقق ابن عبد الہادی وغیرہ کا فیصلہ ہے کہ امام حاکم کی المستدرک سے صحیح میں المختارۃ کا مقام بلند ہے تاہم اس میں بھی غیر صحیح احادیث آگئی ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے(۲)

تعارف امام مقدسی: الحافظ الثقہ، الزاہد، الورع ابو عبداللہ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن السعدی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی ۵۶۹ھ ۱۱۷۳ء میں دمشق میں آپ کی پیدائش ہوئی، بغداد، مصر، فارس وغیرہ بلاد اسلام کا سفر کیا اور پانچ سو سے زائد شیوخ سے حدیث کی روایت کی دمشق میں انہوں نے دار الحدیث الضیائیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس پر اپنی ساری کتابیں وقف کر دی تھیں مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں ۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء میں انتقال ہوا۔(۳)

تعارف صحیح ابو عوانہ: یہ کتاب دراصل صحیح مسلم پر مستخرج ہے مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث اپنی ایسی سند سے روایت کی جائے جس میں اس دوسری کتاب کے مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو۔ چونکہ اس کتاب میں امام مسلم کی سند کے علاوہ دیگر طرق واسانید بلکہ قدرے قلیل متون کا بھی اضافہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ گویا ایک مستقل کتاب ہے۔ صحیح ابو عوانہ کی دو جلدیں

۱۔ بستان المحدثین مع ترجمہ اردو ص ۱۰۸ تا ۱۱۳، الرسالۃ المستطرفہ، ص ۲۰،۱۹، الاعلام ج ۶ ص ۲۲۷

۲۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۲۲

۳۔ الاعلام ج ۶ ص ۲۵۵

عرصہ ہوا حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں۔امام ذہبیؒ نے اس کی تلخیص کی تھی جو منتقی الذہبی کے نام سے مشہور ہے یہ تلخیص دو سو تیس (۲۳۰) احادیث پر مشتمل ہے (۱)

ترجمہ ابو عوانہ: الحافظ الکبیر ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینی نیشاپوری اکابر محدثین میں شمار ہوتے ہیں یاقوت حموی نے ان کے بارے میں "احد حفاظ الدنیا" کے وقیع الفاظ استعمال کئے ہیں، یونس بن عبدالاعلی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور اس طبقہ کے کبار محدثین سے حدیثیں سنیں اور اس فن کی تکمیل کے لئے دنیائے اسلام کا سفر کیا۔ حافظ احمد بن علی رازی، ابو علی نیشاپوری، امام طبرانی، اسماعیلی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں فقہ میں امام شافعی کے ارشد تلامیذ امام مزنی اور ربیع کے براہ راست شاگرد تھے امام شافعی کی کتابوں اور ان کے مسلک سے اہل اسفرائن کو سب سے پہلے ان ہی نے روشناس کرایا ۳۱۶ھ ۹۲۸ء میں وفات پائی۔ (۲)

۲۔ **تعارف صحیح ابن السکن:** علامہ کتانی نے اس کا مکمل نام "الصحیح المنتقیٰ" اور "السنن الصحاح الماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ محذوف الاسناد ہے۔ خود مؤلف نے کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ: میں نے اپنی اس کتاب میں جو کچھ مجملاً لکھا ہے وہ صحت کے اعتبار سے مجمع علیہ ہے اور اس کے بعد جو احادیث ذکر کی ہیں وہ ائمہ کے مختارات ہیں اور جو روایت کسی سے انفراداً ہے اس کی علت اور انفراد کو ذکر کر دیا ہے۔ یہ کتاب زمانہ دراز سے نایاب ہے۔ (۳)

تعارف ابن السکن: الحافظ الحجۃ ابو علی سعید ابن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی معروف بابن السکن کی سن ۲۹۴ ہجری بمطابق ۹۰۹ء میں ولادت ہوئی مختلف شہروں کا سفر کر کے وہاں کے شیوخ سے حدیث کی تحصیل کی اور مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۳۵۳ھ ۹۶۴ء میں وفات پائی (۳)

۱۔ بستان المحدثین ص ۹۵

۲۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص: ۷۵

۳۔ الاعلام ج:۸ ص: ۱۹۶

تعارف المنتقیٰ لابن جارود: کتاب کا پورا نام "المنتقی من السنن المسندة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاحکام" ہے یہ کتاب دراصل صحیح ابی عوانہ کی "مستخرج" ہے جس میں آٹھ سو احادیث کے قریب ہیں اور عام طور پر صحیحین کی مرویات ہیں البتہ قلیل مقدار ایسی بھی ہیں جو صحیحین کے علاوہ ہیں۔ ابو عمر واندلسی نے "المرتقی فی شرح المنتقی" کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے۔

تعارف ابن جارود: الحافظ ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الجارود النیشابوری مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفا و تعظیما کے مجاور رہے اور مکہ معظمہ ہی میں ۳۰۶،۷ میں وفات پائی زرکلی نے الاعلام میں متعین طور پر ۳۰۷ ہجری ۹۲۰ء سن وفات لکھا ہے۔(۱)

الرسالة المستطرفة ص: ٢٣ ، الاعلام ،ج:٤ ،ص:١٠٤

الفصل الثانی عشر
فی
كُتب السّتَّةِ وغيرِها المشهورةِ

الكتب الستةُ: الكتبُ السِتَّةُ المَشْهُوْرَةُ المقررة فی الإسْلام التِی يُقَالُ لها الصِحاحُ السِتَّةُ هی:

(١) صحيح البخاری (٢) وصحيح مسلم (٣) والجامع للترمذی (٤) والسنن لابی داؤد (٥) والنسائی (٦) وسنَنُ ابنِ ماجة، وعندَ البَعضِ "المُؤطّا" بدل ابن ماجة ، وصاحبُ جامعِ الاصول اِخْتَارَ المؤطّا.

وفی هذه الكتبِ الأَرْبَعَةِ اَقْسَامٌ مِّنَ الأَحَادِيثِ مِن الصِحاحِ والحِسَانِ والضِعَافِ، وَتَسْمِيتُهَا "بالصحاح السِتَّةِ بِطَرِيْقِ التَغْلِيبِ

اصطلاحُ البغوی: وسمّیٰ صَاحبُ المَصَابِيْحِ اَحَادِيْثَ غيرِ الشَيْخَينِ بالحِسَانِ وهو قَريبٌ من هذا الوجه. (او) قَريبٌ من المعنی اللُغوی أو هواصْطلاحٌ جَدِيدٌ منه .

كتابُ الدارمی: وقال بعضهم: كتابُ الدَارمی اَحْرٰی والْيَقُ بِجَعْلِهِ سادسَ الكتب لأنَّ رجالَه اَقلُّ ضُعفاً و وجودُ الاحاديث

المنكَرة والشاذّة فيه نادرٌ وله اسانيدُ عاليةٌ وثُلاثياته اكثرُ من ثُلاثيات البخاري،

وهٰذه المذكُورَاتُ مِنَ الكتبِ أشهَرُ الكتب، وَغيرُها من الكتبِ كَثِيرةٌ شهيرَةٌ وَلَقَدْ أورَدَ السّيُوطِي في كتابِ "جَمع الجَوَامِع" مِن كتب كثِيرةٍ يَتجَاوَزُ خَمسِينَ مُشتَمِلَةً على الصِحاح والحِسانِ والضِعافِ وقال: ما أَوْرَدتُ فِيها حدِيثاً موسُوماً بالوَضْعِ إتّفقَ المحدّثُونَ علىٰ تَركهِ وردِّهِ واللهُ اعلمُ.

جماعة من الائمّة المتقنين: وَذَكَرَ صَاحِبُ المشكوٰة في دِيْباجَةِ كتابه جماعةً من الائِمّةِ المُتقِنِيْنَ وهم: البخاري ومسلم، والامام مالك ، والامام الشافعي، والامام احمد بن حنبل، والترمذي، وابوداؤد، والنسائي، وابن ماجة، والدارمي، والدارقطني، والبيهقي، ورزين وأجْمَلَ فِي ذِكْرِ غَيْرِهِمْ وَكَتَبْنَا أحوَالَهُم فِي كتابٍ مُفْرِدٍ مسمّىٰ " بالاكمال بِذِكْرِ اسمَاءِ الرجال" وَمِنَ اللهِ التَوفِيقُ وهُوَ المُستَعَانُ فِي المَبْدَاءِ والمآلِ.

وامّا "الإكمال فِي اسماءِ الرجَالِ" لصاحبِ المشكوٰةِ فهُوَ مُلْحَقٌ في آخِرِ هٰذا الكتَابِ (١)

هٰذه العبارة ليست في النسخة المطبوعة مع لمعات التنقيح.

بارہویں فصل

کتب ستہ مشہورہ وغیرہ کے بیان میں

(حدیث کی) چھ کتابیں جو اسلام میں مشہور و ثابت ہیں جنہیں "صحاح ستہ" کہا جاتا ہے یہ ہیں۔
(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع ترمذی (۴) سنن ابوداؤد (۵) سنن نسائی (۶) سنن ابن ماجہ اور بعض محدثین کے نزدیک سنن ابن ماجہ کی بجائے چھٹی موطا امام مالک ہے۔

"جامع الاصول" کے مصنف امام ابن اثیر جزری نے "موطا" ہی کو اختیار کیا ہے (صحیحین کے علاوہ بقیہ) ان چاروں کتابوں میں صحاح، حسان، ضعاف ہر قسم کی احادیث ہیں، انہیں صحاح ستہ غلبہ و کثرت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔

امام بغوی کی اصطلاح: امام بغوی نے "مصابیح السنہ" میں امام بخاری اور امام مسلم کی احادیث کے علاوہ کو "حسان" کہا ہے ان کی یہ تعبیر (معنی تغلیبی کے قریب ہے یا معنی لغوی کے قریب ہے یا یہ ان کی جدید اصطلاح ہے۔

کتاب دارمی: اور بعض محدثین نے کہا ہے کہ امام دارمی کی کتاب صحاح ستہ کی چھٹی کتاب قرار دیئے جانے کے زیادہ لائق و مناسب ہے کیونکہ اسکے رجال میں ضعیف بہت کم ہیں اور منکر و شاذ احادیث کا وجود اس میں نادر ہے، ان کی سند عالی ہے اور انکی ثلاثیات امام بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔ یہ مذکورہ کتب (احادیث کی) مشہور کتابیں ہیں اور انکے علاوہ بھی بہت ساری مشہور کتابیں ہیں چنانچہ امام سیوطی نے کتاب "جمع الجوامع" میں پچاس سے زائد کتب حدیث کی احادیث بیان کی ہیں جو صحاح، حسان اور ضعیف حدیثوں پر مشتمل ہیں اور لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں نقل کی ہے جسے موضوع کہا گیا ہو اور محدثین اسکے ترک ورد پر متفق ہوں۔ واللہ اعلم۔

تذکرۂ ائمہ ماہرین: صاحب مشکوٰۃ نے کتاب کے مقدمہ میں ائمہ ماہرین کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں۔

(۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) امام مالک (۴) امام شافعی (۵) امام احمد ابن حنبل (۶) امام ترمذی (۷) امام ابوداؤد (۸) امام نسائی (۹) امام ابن ماجہ (۱۰) امام دارمی (۱۱) امام دار قطنی (۱۲) امام بیہقی (۱۳) امام رزین

ان کے علاوہ دیگر ائمہ کے ذکر میں اجمال کیا ہے ان مذکورہ ائمہ کے حالات میں نے ایک الگ کتاب میں لکھا ہے جس کا نام "الاکمال بذکر اسماء الرجال" ہے۔ ومن الله التوفيق وهو المستعان فى المبدأ والمعاد۔

رہی صاحب مشکوٰۃ کی "الاکمال فی اسماء الرجال" تو یہ آخر کتاب میں ملحق ہے۔

تشریح: صحاح ستہ جنہیں، صحت، شہرت اور قبولیت کے لحاظ سے کتب حدیث میں اصول کا درجہ حاصل ہے اور ان کے ساتھ ائمہ اربعہ کی چار کتابیں یعنی مؤطا امام مالک، مسند امام اعظم ابو حنیفہ، مسند امام شافعی اور مسند امام احمد بن حنبل دس کتابوں کا یہ مجموعہ اصول اسلام کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی مجموعہ پر احکام دین کا مدار ہے۔(۱) اس لئے حدیث کے طالب کو انہیں کتابوں کی تحصیل سے ابتدا کرنی چاہئے۔

امام بغوی کی اصطلاح: امام محی السنہ بغوی اپنی مشہور کتاب "مصابیح السنۃ" میں ہر باب کے تحت صحیحین اور کتب اربعہ وغیرہ کی حدیثیں درج کرتے ہیں اور ان کا طریقہ ہے کہ صحیحین کی احادیث کو "صحاح" اور غیر صحیحین کی حدیثوں کو "حسان" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ "حسان" کی یہ تعبیر اصطلاحی نہیں ہے کیونکہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی ساری احادیث حسن نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی احادیث ہیں اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بغوی کی مراد کیا ہے؟

محدث دہلویؒ نے اس سوال کے جواب میں تین باتیں کہیں ہیں۔ (۱) هو قريب من هذا الوجه (اى وجه التغليب) یعنی سنن اربعہ اور اس درجہ سے قریب کتابوں میں چونکہ احادیث حسن کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے اس لئے اسی کو غلبہ دے کر علی الاطلاق "حسن" کہہ دیا ہے گویا یہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، یہ جواب احتمال کی حد تک درست ہے۔

۱۔ الرسالة المستطرفة ص:۱۸

(۲)" اوقریب من المعنی اللغوی "یعنی اس اطلاق میں حسن کے لغوی معنی کا لحاظ کیا گیا ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ترمذی کے قول "ہٰذا حسن صحیح" کی بحث میں خود محدث دہلوی اس جواب کو "بعید جدا" کہہ کر رد کر چکے ہیں اس لئے کہ محدثین رجال سند کی صفات کے اعتبار سے کسی حدیث کو صحیح، حسن وغیرہ کہتے ہیں حدیث کے الفاظ کے حسن اور خوب صورتی کے لحاظ سے حکم نہیں لگاتے ہیں۔

(۳)" اوھواصطلاح جدید منه " یعنی یہ امام بغوی کی ایک نئی اصطلاح ہے یہی تیسرا جواب صحیح اور محقق ہے چنانچہ علامہ کتانی لکھتے ہیں کمصابیح السنة لابی محمد البغوی، قسمها الی صحاح وحسان مریدا بالصحاح ماالخرجه الشیخان او احدهما، وبالحسان ماالخرجه ارباب السنن الاربعة مع الدارمی اوبعضهم وهو اصطلاح له (۱) (کتب مجردہ عن السند کو ۔ ان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) جیسے امام ابو محمد بغوی کی مصابیح السنہ ہے جسے انہوں نے صحاح اور حسان پر تقسیم کیا ہے صحاح سے ان کی مراد صحیحین کی احادیث ہے اور حسان سے سنن اربعہ، سنن دارمی اور بعض دیگر کتابوں کی حدیثوں کو مراد لیتے ہیں اور یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔

سنن دارمی: کتب حدیث میں "اصول وامہات" کا درجہ کن کتابوں کو حاصل ہے اس بارے میں محدثین کی کئی روایتیں ہیں، حافظ ابن صلاح تو صرف پانچ کتابوں یعنی صحیحین، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کو اصول میں شمار کرتے ہیں جب کہ اکثر ائمہ حدیث چھ کتابوں کو اصول مانتے ہیں البتہ ان میں چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ امام رزین بن معاویہ امام ابن الاثیر جزری اور مسند ہند امام ولی اللہ دہلوی مؤطا امام مالک کو اصول ستہ میں چھٹی کتاب قرار دیتے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کے آخر تک عام طور پر مؤطا ہی کو اصول ستہ میں شمار کیا جاتا تھا حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ وہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے بعض وجوہ سنن ابن ماجہ کو اصول ستہ میں داخل کیا ہے، ان کے بعد حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی متوفی ۶۰۰ھ نے اپنی مشہور کتاب "الکمال فی اسماء الرجال"

۱۔ الرسالۃ المستطرفۃ ص:۱۸

(یعنی رجال کتب ستہ میں ابن ماجہ ہی کے رجال کا ذکر کیا۔ بعد میں یہی قول محدثین کے درمیان رائج اور جاری و ساری ہو گیا۔

اور حافظ صلاح الدین علائی، امام نووی، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ محدثین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ "سنن ابن ماجہ" کے بجائے اگر سنن دارمی کو اصول ستہ میں چھٹی کتاب شمار کیا جائے تو یہ بات زیادہ مناسب ہو گی(۱)

ائمۂ ماہرین حدیث کا تذکرہ: صاحب مشکوٰۃ قطب العلماء ابو عبد الله محمد بن عبد الله معروف به خطیب تبریزی متوفی ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء نے مشکوٰۃ المصابیح کے مقدمہ میں جن اکابر محدثین کے اسماء ذکر کئے ہیں ذیل میں ان کے مختصر تراجم ملاحظہ کیجئے۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ: ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ مدت حیات باسٹھ سال (۶۲)

امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ ابن بردزبہ جعفی بخاری ۱۳ ار شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ اور دنیائے اسلام کے بڑے بڑے علمی مرکزوں میں جا کر وہاں کے شیوخ سے احادیث کی روایت کی جن کی تعداد خود ان کے بیان کے مطابق دس سو اسی (۱۰۸۰) ہے ان میں مکی بن ابراہیم، عبید اللہ بن موسیٰ، ابو عاصم شیبانی، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عبد اللہ بن زبیر، حمیدی وغیرہ بطور خاص بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ امام بخاری کا حافظہ غضب کا تھا جو سنتے تھے نقش کالحجر ہو جاتا تھا، چھ لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے، درس حدیث کے علاوہ کثیر تعداد میں کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں سے بعض یہ ہیں قضایا الصحابة والتابعين، التاريخ الكبير، التاريخ الاوسط، التاريخ الصغير، الجامع الكبير، المسند الكبير، خلق افعال العباد، جزء قراءة خلف الامام، جزء رفع اليدين وغیرہ مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه" المعروف به صحيح البخاری کی ترتیب و تدوین ہے جسے دنیائے علم حدیث میں ایک

۱. الرسالة المستطرفة ص: ۱۴۵

شاہکار کی حیثیت حاصل ہے اور کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح اور سچی کتاب ہونے کی سعادت میسر ہے ذٰلك فضل الله يوتيه من يشآء"

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس قدر مقبولیت عطا کی کہ امام بخاری کے تلمیذ رشید فربری کا بیان ہے کہ صحیح بخاری کو براہِ راست امام بخاری سے نوے ہزار لوگوں نے سنا۔ فربری کے اس بیان کے بعد نو برس تک امام بخاری زندہ رہے اس نو سال کی مزید مدت میں کتنے لوگوں نے سنا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر معلوم ہے الغرض زمانے کے سرد گرم سے گذر کر سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عاشق صادق ۲۵۶ھ میں عید کی رات کو اس دار ابتلاء وامتحان کو چھوڑ کر مالک عزوجل کے حضور حاضر ہو گیا (۱)

حافظ کبیر امام مسلم قشیری نیشا پوری: ولادت ۲۰۶ھ- وفات ۲۶۱ھ- مدت حیات پچپن سال (۵۵)

۲- حجۃ الاسلام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن ورد قشیری نیشاپوری فن حدیث کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں ابو زرعہ رازی اور ابو حاتم وغیرہ نے ان کی امامت حدیث کی شہادت دی ہے بلکہ محدثین کا پیشوا کہا ہے۔ اپنے زمانہ کے مشہور محدثین محمد بن یحییٰ ذہلی، اسحاق بن راہویہ، محمد بن مہران، قتیبہ ابن سعید، امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مسلمہ، سعید بن منصور وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔

اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن محمد، امام ابو حاتم رازی امام الائمہ ابن خزیمہ، امام ابو عیسیٰ ترمذی وغیرہ ائمہ حدیث شامل ہیں الجامع الصحیح" جو عالم اسلام میں صحیح البخاری کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے اس کے علاوہ المسند الکبیر، کتاب الاسماء والکنی، کتاب العلل، کتاب اوھام المحدثین، کتاب طبقات التابعین، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ الثوری، کتاب حدیث عمرو بن شعیب اور مقدمہ صحیح مسلم جسے فن اصول حدیث میں اولین کتاب ہونے کا فخر حاصل ہے ان کی مشہور تصانیف ہیں امام مسلم کی تالیفات کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں تحقیق وامعان پایا جاتا ہے خاص طور پر صحیح مسلم میں تو بقول سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی انہوں نے فن حدیث کے عجائبات دکھلائے ہیں، شاہ عبدالعزیز

---

۱. ماخوذ ازھدی الساری واکمال فی اسماء الرجال للخطیب تبریزی

محدث دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ امام مسلم صحیح وسقیم حدیثوں کی پہچان میں اپنے اہل عصر میں ممتاز تھے اور بعض امور میں تو انہیں امام بخاری پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔

آپکی تاریخ ولادت کے متعلق تین اقوال ہیں ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ، اور ۲۰۶ھ اسی آخری قول کو امام ابن الاثیر جزری نے جامع الاصول کے مقدمہ میں اختیار کیا ہے تاریخ وفات پر سب کا اتفاق ہے کہ ۲۵ رجب ۲۶۱ھ یوم یکشنبہ کی شام کو ہوئی (۱)

۳- امام مالک: ولادت ۹۳ھ، ۷۱۲ء وفات ۱۷۹ھ، ۷۹۵ء مدت حیات چھیاسی سال۔

امام دارالہجرۃ واحد الائمۃ الاربعۃ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر بن عمرو اصبحی کا حلیہ بستان المحدثین میں یوں بیان کیا گیا ہے دراز قد، فربہ اندام، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم، خوبصورت و بلند ناک اور کپڑے نہایت نفیس پہنتے تھے اور خوشبو کثرت سے استعمال کرتے تھے۔

اپنے عصر کے شیوخ کبار جیسے امام زہری، یحیٰ بن سعید، نافع مولی بن عمر، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، زید بن اسلم، ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن المعروف بہ ربیعۃ الرائے وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی۔ اور آپ کے تلامذہ کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے جن میں امام محمد شیبانی تلمیذ امام اعظم، امام شافعی، محمد بن ابراہیم بن دینار، عبدالعزیز بن حازم، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، معن بن عیسیٰ بن یحیٰ، عبداللہ بن وہاب وغیرہ اکابر ائمہ حدیث وفقہ شامل ہیں امام مالک کے انہیں تلامذہ میں وہ حضرات بھی ہیں جو امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام یحیٰ بن معین امام ابوداؤد اور امام ترمذی کے استاذ ہیں۔

امام شافعی فرماتے تھے کہ مجھ کو امام مالک سے بڑھ کر کسی پر اطمینان نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں کوئی حدیث امام مالک سے پہنچے تو اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینا، امام شافعیؒ ہی کا بیان ہے کہ میرے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں ایک دن میری پھوپھی نے کہا آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے میں نے پوچھا وہ کیا ہے تو انہوں نے کہا گویا ایک شخص اعلان کر رہا ہے کہ آج دنیا کے سب سے بڑے عالم کا انتقال ہو گیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن کو یاد رکھا بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسی دن امام مالک کی وفات ہوئی تھی۔

امام مالک کی تصانیف میں: رسالۃ فی الوعظ، کتاب فی المسائل، الرسالۃ فی الرد علی

۱: اکمال فی اسماء الرجال وبستان المحدثین مع ترجمہ اردو ص:۲۷۸ تا ۲۸۱

القدریہ، کتاب فی النجوم تفسیر غریب القرآن، اور مؤطا ہیں، مؤطا کو امام مالک کی حیات ہی میں قبول عام حاصل ہو گیا اور براہ راست امام مالک سے اسے ایک ہزار لوگوں نے سن کر جمع کیا اس لئے موطا کے بہت سارے نسخے ہیں ہمارے یہاں موطا کا جو نسخہ متداول ہے وہ یحییٰ مصمودی کا مرتب کردہ ہے اور موطا امام محمد کے نام سے جو نسخہ مشہور ہے وہ بھی در حقیقت موطا امام مالک ہی ہے چونکہ اس کی ترتیب امام محمدؒ کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے اور اس میں انہوں نے امام مالک کی مرویات کے علاوہ دیگر شیوخ حدیث کی روایات کو بھی نقل کیا ہے اس بناء پر اس کو موطا امام محمد کہا جانے لگا(۱)

۳۔ امام شافعی: ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ مدت حیات چون (۵۴) سال

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن یزید قرشی مطلبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبد مناف پر آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ بیت المقدس سے دو مرحلہ پر مقام غزہ یا عسقلان میں آپ کی ولادت ہوئی دو سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ مکہ معظمہ آ گئے تھے۔ امام مالک، سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا، اور امام محمد تلمیذ ابو حنیفہ کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر علم فقہ وغیرہ کی تحصیل کی اور تقریباً ساٹھ دینار خرچ کر کے امام محمد کی تصنیفات نقل کرائیں، امام محمد ان کی مالی مدد بھی کرتے رہتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں کہ: علم اور اسباب دینوی کے اعتبار سے مجھ پر کسی کا بھی اتنا بڑا احسان نہیں ہے جس قدر امام محمد کا ہے۔

اور امام شافعیؒ سے امام احمد بن حنبل، ابو ثور، ابراہیم مزنی، ربیع بن سلیم مرادی وغیرہ علمائے فقہ و حدیث نے تعلیم حاصل کی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ تین مرتبہ بغداد گئے پہلی بار ۱۸۴ھ میں اسی سفر میں امام محمد سے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور ان کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے۔ دوسری مرتبہ امام محمد کی وفات سے چھ سال بعد ۱۹۵ھ میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۸ھ میں خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ نے صرف اسی ۱۹۸ھ کے سفر کا ذکر کیا ہے اور ۱۹۹ھ میں مصر پہنچے اور یہیں ماہ رجب ۲۰۴ھ، ۸۲۰ء میں آپ کا انتقال ہو گیا قاہرہ میں آپ کا مزار آج بھی معروف

۱ الکمال فی اسماء الرجال ص ١٦٦، بستان المحدثین ١٠، ص: ١٢ تا ٧٦۔ الاعلام ج:٥، ص:٢٥٧

و مشہور ہے آپ کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں مشہور ترین کتاب الام ہے جسے آپ کے تلمیذ بواطی نے جمع کیا اور تبویب ربیع بن سلیمان نے کی سات جلدوں میں یہ کتاب دستیاب ہے اس کے علاوہ اصول فقہ میں "الرسالہ" بھی آپ کی گراں قدر تصنیف ہے حافظ ابن حجر نے آپ کے حالات میں توالی التاسیس بمعانی ادریس" کے نام سے بہترین کتاب لکھی ہے(۱)

د-امام احمدبن حنبل: ولادت ۱۶۴، وفات ۲۴۱ھ -مدت حیات معتبر (۷۷) سال

الامام الحافظ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی بغداد میں پیدا ہوئے اور طلب علم کیلئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، یمن، شام، جزائر، فارس، خراسان وغیرہ بلاد اسلام کا سفر کیا اور حسب تصریح الشیخ تاج الدین السبکی (۱) امام ابو یوسف، امام شافعی، امام وکیع، یحییٰ بن ابی زائدہ آپ کے اساتذہ اور امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد وغیرہ آپ کے تلامذہ ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی نے آپ کے اساتذہ میں یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق بن ہمام کا بھی ذکر کیا ہے امام شافعیؒ سے آپ کو خصوصی شرف تلمذ کا فخر حاصل ہے امام شافعی جب تک بغداد میں رہے وہاں سے جدا نہیں ہوئے امام شافعیؒ بھی امام احمدؒ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

صحیح وسقیم حدیثوں کی معرفت میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ میں نے احمد بن حنبل کو دیکھا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان میں علم اولین و آخرین جمع کر دیا تھا۔

امام شافعیؒ نے اپنے قیام مصر کے زمانہ میں خواب دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امام احمد کو سلام کہلایا ہے اور خلق قرآن کے مسئلہ میں امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے امام شافعیؒ نے اس خواب کو لکھ کر امام احمد کے پاس بھیجا تو وہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور قاصد کو اپنا کرتا بطور انعام کے عنایت کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کے مطابق امام احمد بن حنبل مسئلہ خلق قرآن کے امتحان میں ثابت قدم رہے آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے قید و بند اور کوڑوں کی ضرب کی ساری شدتوں کو پوری پامردی کے ساتھ برداشت کیا اس سلسلہ میں صبر واستقلال اور استقامت وعزیمت کا جو کردار انہوں نے پیش کیا وہ تاریخ

---

۱ الکمال فی اسماء الرجال ص: ۱۷۰ الاعلام ج۶ ص:۲۶ مقدمہ انوار الباری ج۱ ص:۱۳۴ وما بعد۔

عزیمت کا ایک شاہکار ہے آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں سے بعض ہیں المسند الناسخ والمنسوخ، فضائل الصحابہ، المناسک، العلل والرجال، کتاب التفسیر وغیرہ مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول المسند ہے جو تیس ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ مسند امام احمد پر آپ کے صاحب زادے امام عبداللہ کے اور ان سے مسند کے راوی ابو بکر قطیعی کے زیادات بھی ہیں "الفتح الربانی" کے نام سے فقہی ابواب کی ترتیب پر بھی مسند امام احمد مصر سے شائع ہو گئی ہے(۱)

۶-امام ترمذی: ولادت ۲۰۹ھ-وفات ۲۷۹ھ مدت حیات ستر (۷۰) سال

الامام الحافظ الفقیہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن الضحاک السلمی البوغی الترمذی-بوغ شہر ترمذ کے متعلقہ دیہاتوں سے ایک دیہات ہے جسے امام ترمذی کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ علم حدیث کی طلب میں بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں سالہا سال گذارے اور وہاں کے محدثین سے اخذ و استفادہ کیا۔ جن میں قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع، محمد بن مثنیٰ، سفیان بن وکیع، امام ابو داؤد، امام مسلم اور امام بخاری جیسے اکابر ائمہ حدیث شامل ہیں۔ اور خود ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ امام ترمذی نے علم حدیث میں بہت ساری تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں جامع ترمذی، الشمائل النبویہ، کتاب العلل، مشہور و متداول ہیں، جامع ترمذی فوائد حدیث کے اعتبار سے دیگر کتب حدیث پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے، ہر باب کی حدیث کے تحت فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل بیان کیے گئے ہیں، حدیث کے اقسام مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، معلل وغیرہ کی وضاحت کر دی گئی ہے، نیز راویوں کے نام، القاب، کنیت کے علاوہ وہ فوائد بھی بیان کر دیئے گئے ہیں جن کا اسماء الرجال سے تعلق ہے۔

امام ترمذی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب کو علماء حجاز و خراسان کی خدمت میں پیش کیا تو وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور علماء عراق نے بھی اس کو بے حد پسند کیا۔ البتہ علماء حدیث نے صراحت کی ہے کہ امام ترمذی احادیث کی تصحیح میں سہولت پسند واقع ہوئے ہیں اور بعض اوقات ضعیف احادیث کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں(۲)

---

۱. اکمال فی اسماء الرجال ص:۱۷۵، بستان المحدثین مع ترجمۃ اردو ص: ۷۹

۲. اکمال فی اسماء الرجال ص:۱۸۰، بستان المحدثین ص:۲۹۰

وفات ۲۷۵ھ مدت حیات تہتر (۷۳) سال

۷- امام ابو داؤد: ولادت ۲۰۲ھ - وفات ۲۷۵ھ مدت حیات تہتر (۷۳) سال

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن عمران الازدی السجستانی اپنے زمانہ میں علمائے حدیث کے امام تھے علم حدیث کی تحصیل کے لئے دنیائے اسلام کا چکر لگایا اور مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، عبداللہ بن سلیمان قعنبی، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل جیسے اساطین علم سے اخذ و استفادہ کیا۔ حفظ حدیث اتقان روایت اور عبادت و تقویٰ و صلاح و احتیاط میں ممتاز درجہ پر فائز تھے۔ آپ کے تلامذہ میں امام ترمذی اور امام نسائی جیسے ائمہ فن شامل ہیں۔ آپ کے ایک معاصر محدث موسیٰ بن ہارون کہتے تھے کہ ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں "سنن" نہایت مشہور اور صحاح ستہ میں شامل ہے پانچ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے جس میں کل چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں۔ امام ابو داؤد نے خود صراحت فرمائی ہے کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں بیان کی ہیں۔ سنن کی جمع و ترتیب کے بعد اپنے استاذ امام احمد بن حنبل کی خدمت میں اسے پیش کیا تو انہوں نے اسے بہت پسند فرمایا۔ سنن ابو داؤد کو ابو علی محمد بن لولوی، ابو بکر محمد التمار معروف بہ ابن داسہ اور ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد المعروف بہ ابن الاعرابی روایت کرتے ہیں، بلاد مشرق میں لولوی کا نسخہ زیادہ مشہور و متداول ہے (۱)

۸- امام نسائی: ولادت ۲۱۵ھ - وفات ۳۰۳ھ - مدت حیات اٹھاسی (۸۸) سال

امام حدیث ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی، نساء خراسان کا مشہور شہر ہے اسی کی طرف نسبت ہے علم حدیث کی طلب میں خراسان، حجاز، عراق، جزیرہ، شام، مصر وغیرہ بلاد اسلام میں گھوم پھر کر وہاں کے شیوخ حدیث سے حدیث کی روایت کی جن میں قتیبہ بن سعید، ہناد بن سری، محمد بن بشار، محمود بن غیلان اور امام ابو داؤد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اور امام نسائی سے روایت کرنے والوں میں امام ابوالقاسم طبرانی، امام ابو جعفر طحاوی، حافظ ابو بکر احمد بن اسحاق سنی جیسے یگانۂ عصر شامل ہیں۔ حدیث اور علل حدیث میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں "مجتبیٰ" المعروف بہ سنن نسائی کو صحاح ستہ

---

۱. اکمال فی اسماء الرجال ص: ۱۸۱، بستان المحدثین، ص: ۲۸۲-۲۸۵

میں شمار ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ سنن نسائی میں امام نسائی کے خیال کے مطابق ساری احادیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

عمل الیوم واللیلہ، کتاب الکنی والاسامی اور کتاب الضعفاء والمتروکین بھی آپ کی مشہور تصانیف ہیں امام نسائی چونکہ جرح میں متشدد تھے جس کی بناء پر غیر ضعیف کو بھی ضعفاء کی فہرست میں شمار کر دیا ہے۔

آپ نے ایک کتاب بنام "الخصائص" حضرت علی کے مناقب میں مرتب کی تھی آپ کا ارادہ ہوا کہ اسے جامع دمشق میں پڑھ کر سنائیں تاکہ جو لوگ ناصبیت سے متاثر ہیں ان کی اصلاح ہو جائے ابھی کتاب کا کچھ ہی حصہ سنایا تھا کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے مناقب امیر معاویہ میں کچھ لکھا ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہی کافی ہے کہ حضرت امیر معاویہ برابر سرابر چھوٹ جائیں ان کے مناقب کہاں ہیں یہ سنتے ہی لوگوں نے شیعہ، شیعہ کہہ کر ان کو مارنا شروع کر دیا اور اس قدر مارا کہ بے دم ہو گئے خدام اٹھا کر گھر لائے آپ نے کہا مجھے ابھی مکہ معظمہ لے کر چلو تاکہ میری موت مکہ معظمہ یا اس کے راستہ میں ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ پہونچ کر ۱۳ر صفر ۳۰۳ھ میں آپ کی وفات ہو گئی (۱)

۹- امام ابن ماجہ: ولادت ۲۰۹ھ - وفات ۲۷۳ھ مدت حیات چونسٹھ (۶۴) سال

الامام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ ابن ماجہ قزوینی "ربعی" قزوین عراق عجم کا مشہور شہر، قزوینی اسی کی طرف نسبت ہے اور "ربعی" قبیلہ ربیعہ کی جانب ولاء نسبت ہے۔ طلب حدیث میں آپ نے دنیائے اسلام کی سیر کی اور اس زمانے کے اکابر محدثین سے تحصیل علم کیا جن میں ہشام بن عمار، جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن منذر، ابن نمیر ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ شامل ہیں امام ابن ماجہ کو حدیث کے تمام علوم پر دسترس حاصل تھی ۲۲ر رمضان ۲۷۳ھ کو دوشنبہ کے دن آپ کا انتقال ہوا اور دوسرے دن دفن ہوئے (۲)

۱۰- امام دارمی: ولادت ۱۸۱ھ - وفات ۲۵۵ھ مدت حیات چوہتر (۷۴) سال

حافظ حدیث ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام بن عبد الصمد تمیمی

۱۔ بستان المحدثین ص: ۲۹۵-۲۹۸

۲۔ بستان المحدثین، ص: ۲۹۸

دارمی سمرقندی، بلاد اسلام کا کثرت سے سفر کیا اور وہاں کے شیوخ سے علم حدیث حاصل کی، امام مسلم قشیری صاحب صحیح، امام ابوداؤد، امام ترمذی، عبداللہ بن امام احمد بن حنبل، محمد بن یحییٰ ذہلی جیسے اکابر ائمہ حدیث کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عبداللہ اپنے والد بزرگوار امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں کہ خراسان میں علم حدیث کے حافظ چار تھے، ابوزرعہ رازی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اور حسن بن شجاع بلخی، سمرقند کی مسند قضاء پر بیٹھائے گئے مگر ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بعد اس منصب سے معذرت کردی، حافظ حدیث کے ساتھ فقیہ و مفسر بھی تھے۔ ۹ ذی الحجہ ۲۵۵ھ یوم پنج شنبہ کو وفات پائی اور دوسرے دن مدفون ہوئے(۱)

۱۱- امام دارقطنی: ولادت ۳۰۶ھ - وفات ۳۸۵ھ - مدت حیات اناسی (۷۹) سال

الحافظ الکبیر امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد مہدی بن مسعود دارقطنی شافعی "دارقطن" بغداد کا ایک مشہور محلہ ہے وہیں ان کی سکونت تھی۔ معرفتِ علل، اسماء الرجال اور دیگر علوم حدیث میں یکتائے روزگار تھے علاوہ ازیں علوم قرآن اور اختلافِ فقہاء سے بھی کامل درجہ واقفیت رکھتے تھے مسائل قرأت کو ابواب کی ترتیب پر سب سے پہلے انہوں نے سپردِ قلم کیا۔ ابوالقاسم بغوی، ابوبکر بن ابوداؤد بن صاعد، حسین بن محاملی اور ابوسعید اصطخری وغیرہ سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔ حافظ ابونعیم اصفہانی، حافظ عبدالغنی، حافظ عبدالعظیم منذری، ابوبکر برقانی، قاضی ابوالطیب طبری وغیرہ حفاظ حدیث ان کے تلامذہ ہیں۔ العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ، المجتبیٰ من السنن الماثورۃ، المؤتلف والمختلف، کتاب الضعفاء اور السنن ان کی مشہور تصنیفات ہیں سنن دارقطنی شیخ شمس الحق عظیم آبادی کی تعلیقات کے ساتھ بنام "التعلیق المغنی" مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوچکی ہے محدث محمد بن جعفر الکتانی نے اپنی مشہور و مفید تصنیف الرسالہ المستطرفہ ص:۳۱ میں سنن دارقطنی پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

"جمع فیہا غرائب السنن واکثر فیہا من روایۃ الاحادیث الضعیفۃ والمنکرۃ بل والموضوعۃ"

۱۔ [illegible] من المحدثین [illegible] ۱۱۰۸-۱۱ [illegible] ص:۵

اس میں غرائب سنن کو جمع کیا اور کثرت سے ضعیف حدیثیں روایت کی ہیں بلکہ منکر اور موضوع حدیثیں بھی نقل کردی ہیں۔ ۸/ ذی الحجہ ۳۸۵ھ یوم چہار شنبہ کو آپ کی وفات ہوئی (۱)

۱۲-امام بیہقی: ولادت ۳۸۴ھ - وفات ۴۵۸ھ - مدت حیات چوہتر (۷۴) سال

حافظ حدیث ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بیہقی (بیہق چند گاؤں کے مجموعہ کا نام ہے جو نیشا پور سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع تھے ان دیہاتوں میں سے ایک کا نام خسرو جرد ہے جو امام بیہقی کا مولد و مدفن ہے۔ امام بیہقی علم و فضل میں مجتہدانہ شان کے مالک تھے چنانچہ امام ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر امام بیہقی اپنا مستقل مسلک اختیار کرتے تو وہ اس کے سزاوار تھے اور امام الحرمین کہتے ہیں کہ جملہ شوافع پر امام شافعی کا احسان ہے لیکن خود امام شافعی پر بیہقی کے احسانات ہیں اس لئے کہ انہوں نے مسلک شافعی کی نصرت و تائید میں خاص کردار ادا کیا ہے اور اس سلسلے میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں امام بیہقی کی دو در جن سے زائد تصانیف ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ سنن کبریٰ یہ دس جلدوں میں مشہور حافظ حدیث قاضی علاء الدین علی بن فخر الدین الترکمانی المتوفی ۷۵۰ھ کے اعتراض و مباحث کے ساتھ جس کا نام "الجوهر النقی فی الرد علی البیہقی" ہے دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ کتاب الاسماء والصفات یہ چھپ چکی ہے سنن صغریٰ یہ غیر مطبوعہ ہے، شعب الایمان، دلائل النبوۃ، کتاب البعث والنشور وغیرہ۔

بایں ہمہ علم و فضل امام بیہقی کو سنن نسائی، جامع ترمذی اور ابن ماجہ دستیاب نہ ہو سکی تھیں، اور ان کی حدیثوں سے وہ پوری طرح واقف نہیں تھے دس جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں انتقال ہوا وہاں سے تابوت میں رکھ کر بیہق لائے گئے اور خسرو جرد میں مدفون ہوئے (۲)

۱۳-امام رزین: سن وفات ۵۳۵ھ

امام الحرمین ابو الحسن رزین بن معاویہ بن عمار العبدری السرقسطی الاندلسی،

---

۱. اکمال فی اسماء الرجال ص:۱۸۱-۱۸۲، بستان المحدثین مع ترجمہ اردو ص:۱۱۸، الاعلام ج:۴ ص:۳۱

۲. بستان المحدثین مع ترجمہ اردو ص:۱۳۲

سر قسطہ، اندلس کا ایک مشہور شہر ہے اسی کی جانب منسوب ہیں اپنے زمانے کے مشہور محدث تھے ایک عرصہ تک مکہ معظمہ میں مجاور رہے اور وہیں ۵۳۵ھ میں وفات پائی ان کی مشہور تصانیف میں "التجرید للصحاح والسنن" ہے جس میں اصول ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک اور سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی کی احادیث کو بحذف تکرار جمع کیا ہے اور حسب تصریح علامہ البانی اس کتاب میں بہت سی وہ احادیث بھی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں، نیز اس میں بعض موضوع حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ جیسے حدیث صلوٰۃ الرغائب۔ واللہ اعلم بالصواب (۱)

وهذا اختتام من شرح مقدمة الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى متعنا الله بعلومه وفيوضه والحمد الله الذى بنعمته تتم الصالحات والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد صاحب المعجزات وعلى آله واصحابه اولى الكمالات صلوٰةً وسلاماً دائمين ماتعاقبت الاوقات۔

بيد احقر الانام حبيب الرحمٰن القاسمى۔

التاريخ: ۲۸/ ربيع الآخر ۱۴۱۶ھ

۱۔ الرسالة المستطرفة ص:۱۴۲، الاعلام ج:۳ ص:۲۰، تعليق الالبانى ص:٦

تمت

مصنف کی دیگر تصنیفات

- تذکرہ علماء اعظم گڑھ
- ایک فتویٰ کا تحقیقی جائزہ
- اسلام کا نظام عبادت
- اسلام اور نفقہ مطلقہ
- بابری مسجد حقائق اور افسانے
- اجودھیا کے اسلامی آثار
- فرقہ اثنا عشریہ فقہاء اسلام کی نظر میں
- طلاق ثلاث صحیح مآخذ کی روشنی میں
- خواتین اسلام کی بہترین مسجد
- تحقیق مسئلہ رفع یدین
- امام ابو حنیفہ کا علم حدیث میں مقام و مرتبہ
- شجرہ طیبہ (شیخ طیب بنارسیؒ کے حالات)
- مقام محمود (شیخ الہند سمینار کے مقالات کا مجموعہ)
- اسلام میں تصور امارت
- ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد
- متحدہ قومیت علماء اسلام کی نظر میں
- خمینیت عصر حاضر کا عظیم فتنہ
- خلیفہ مہدی صحیح احادیث کی روشنی میں
- تفسیر سورۂ بقرہ
- امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم
- وفیات نمبر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
- مسائل نماز

MARKAZ -E-DAWAT & TAHQIQ
Deoband (U.P)